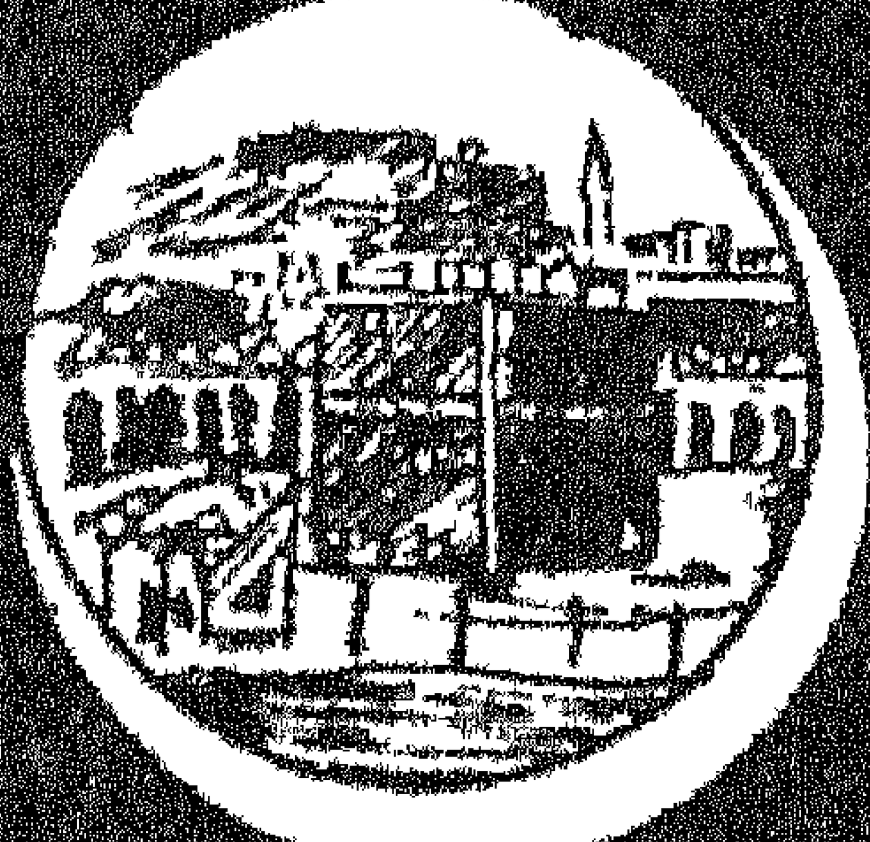

نذر امامیہ مشن - لکھنؤ

سلسلۂ چہاردہ صد سالہ (۱۴۰۰) یادگار مرتضوی سنہ ۱۳۷۶ھ

مناجات پروردگار

از کلام امام العارفین امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام

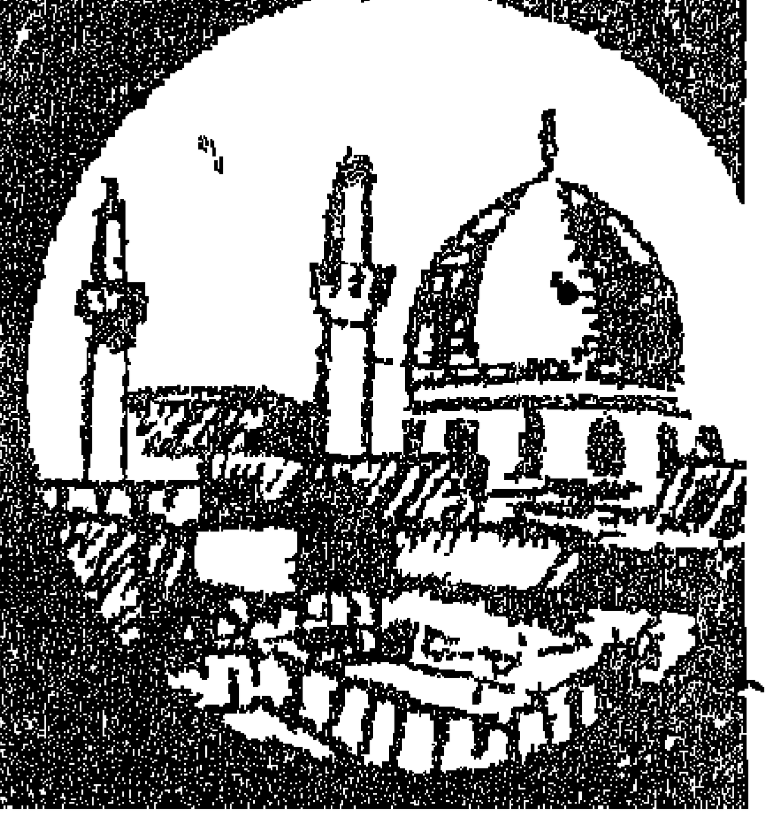

از قلم

سرکار سید العلماء مولانا السید علی نقی صاحب قبلہ دام ظلہ مجتہد العصر

donated by Imamia Mission Lucknow
18)

نذرانۂ پیشکش بارگاہ مرتضوی

بسلسلۂ یادگار چہاردہ صد سالہ

رجب ۱۳۷۶ھ

شناسائی پروردگار

از کلام امام العارفین امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب صلوات اللہ وسلامہ علیہ

ترجمہ و حواشی

از قلم

سرکار سید العلماء مولانا سید علی نقی النقوی

دام ظلہ

تعارف

چہاردہ صد سالہ یادگار مرتضوی کے موقع پر یہ رسالہ جو پیش کیا جا رہا ہے ایک عظیم الشان سلسلہ کا آغاز ہے۔

جناب سید رضی اعلی اللہ مقامہ کا یہ یادگار کارنامہ تھا کہ اُنھوں نے امیر المومنینؑ کے کلام کو جس کے لیے ادباء کا یہ مقولہ ہے کہ وہ "تحت کلام الخالق دفوق کلام المخلوق" ہے یکجا کر کے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا مگر یہ ضرورت شدید طور پر محسوس ہوتی تھی کہ اسے موضوعات کی ترتیب کے ساتھ مرتب و مدون کیا جاتا۔

اب جناب سید العلماء مدظلہ نے اس کارنامہ کی ابتدا کر دی ہے جس کا پہلا حصہ جو الٰہیات کے عظیم مسائل پر مشتمل ہے "ثنائے پروردگار" کے زیر عنوان پیش کیا جا رہا ہے اس کے ساتھ ترجمہ اور مختصر حواشی بھی سرکار سید العلماء مدظلہ کے قلم سے ہیں جو عظیم ادبی اور علمی خصوصیات کے حامل ہیں۔

اُمید ہے کہ افراد قوم اس رسالہ کی صحیح طور پر قدر کریں گے اور اس کی بیش از بیش اشاعت کی کوشش فرمائیں گے۔

خادم ملت

سید ابن حسین نقوی سکریٹری امامیہ مشن لکھنؤ

۱۳ رجب ۱۳۷۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علیٰ سید المرسلین وآلہ الطاہرین

(۱) ہر قسم کی تعریف اللہ کے لیے ہے جس کی تعریف تک کلام کرنے والوں کی رسائی نہیں (۲)
اور جس کے نعمت واحسان کی شمار کرنے والوں میں سمائی نہیں۔ (۳)
اور جس کے حق کی کوشش کرنے والوں سے ادائی نہیں۔

---

(۱) نہج البلاغہ مطبوعہ مصر ج ۱ ص۱۵
(۲) اس لیے بھی کہ متکلم پابند تصور ہے اور اُس سے کمال کا پورا تصور ہی افراد مخلوق سے ممکن نہیں اور اس لیے بھی کہ الفاظ وعبارات تمام کے تمام وضع ہوئے ہیں نقائص سے گھرے ہوئے اُن معانی کے لیے جو ہمارے حدود نظر میں آتے رہے ہیں لہذا خالق کی ذات تک جو ان تمام نقائص سے مبرا ہے اُن کے مفاہیم کی رسائی غیر ممکن ہے۔
(۳) جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ وان تعدّ وانعمۃ اللہ لا تحصوھا
اُس کی نعمتوں کا احصار ہمارے لیے ممکن نہیں اس بنا پر کہ ہماری اطلاع حدود زمان ومکان میں محدود ہے اور اللہ کی نعمتیں اس قید سے آزاد۔

(۴) وہ کہ ہمتوں کی بلندی اُس تک جا نہیں سکتی اور عقول کی غوطہ زنی اُسے پا نہیں سکتی (۵)

وہ جس کی توصیف کے لیے کوئی حد مقرر نہیں اور نہ کوئی لفظیں موجود نہیں (۶)

کوئی وقت ابتدا کا نہیں (۷)

اور کوئی مدت انتہا کی نہیں (۸)

اُس نے کائنات کو اپنی قدرت سے پیدا کیا (۹)

(نوٹ بقیہ صفحہ ۳) پھر یہ کہ ہم خود اپنی ہستی کے تمام اسرار پر محیط نہیں تو صرف ایک نفس میں ہمارے کائنات عالم کے کتنے اجزا کا دخل ہے اسی کا سمجھنا ہمارے دسترس سے باہر ہے چہ جائیکہ ہماری مجموعی زندگی اور پھر ہمارے وجود کے وہ اسباب جو ہماری ہستی کی منزل کو قریب لانے میں کارفرما رہے اور وہ ہمارے حدود ادراک و اطلاع سے بالکل خارج ہیں۔

(۴) نہ حق معرفت نہ حق اطاعت اور نہ حق شکر اور اسی کا کمال احساس تھا جس کی بنا پر معصومین تک اُس کی بارگاہ میں ہمیشہ تضرع و زاری کے ساتھ توبہ و استغفار میں مصروف رہتے تھے۔

(۵) ہمت کا تعلق حرکت و عمل سے ہے اور عقل کی غوطہ زنی کا تصور و ادراک سے ہے۔ اس لیے پہلے فقرہ میں قرب مکانی اور نیز مقابلہ اور مماثلت کی نفی ہے اور دوسرے میں احاطۂ تصوری کی۔

(۶) حد نہیں لہذا پورا تصور ہی نہیں ہو سکتا اور لفظیں نہیں لہذا جتنا

اور ہواؤں کو اپنی رحمت سے منتشر کیا (۱۰)
پہاڑوں سے اپنی زمین کی ڈگمگاہٹ میں میخوں کا کام لیا (۱۱)
دین کی پہلی منزل اُس کی معرفت ہے (۱۲)
اور اُس کی معرفت کا لازمی جزو اُس کی تصدیق ہے (۱۳)

(نوٹ بقیہ صفحہ ۴) تصور ہو بھی جائے اُس کا اظہار ناممکن
(۷) کیونکہ وہ ازلی ہے یعنی ہمیشہ سے ہے۔
(۸) اس لیے کہ وہ ابدی ہے یعنی ہمیشہ ہمیشہ موجود رہنے والا ہے کبھی اُس کو فنا نہیں۔
(۹) یعنی اُس کو اشیاء کی تخلیق میں مادہ کی ضرورت نہیں تاکہ مادہ کو ازلی ماننا لازم ہو نیز یہ کہ عالم اُس کی ذات کا طبعی اثر نہیں ہے تاکہ ذات کے ساتھ اُسے بھی قدیم مانا جائے بلکہ وہ اُس کے قدرت اختیار کا نتیجہ ہے لہٰذا جب چاہا وہ اُسے وجود میں لایا۔
(۱۰) نمایاں طور پر ہوا کا اس لیئے ذکر کیا کہ ذی روح کی بقا کے لیے سب سے ضروری چیز ہوا ہے اور اسی لیے اُس کے واسطے منتشر کرنے کا وصف بیان ہوا کہ کوئی مقام اُس سے خالی نہیں ہے۔
خلائق کو پیدا کرنا کمال قدرت کا ظہور ہے اور اُن کے بقا کا سامان پہلے سے مہیا کر دینا رحمت کا مظاہرہ ہے جو ربوبیت کے ماتحت ہے۔
(۱۱) قرآن میں بھی ہے والجبال اوتادًا اس کی تفصیل خود نہج البلاغہ کے ایک دوسرے خطبہ میں یہ ہے کہ جب پانی پر زمین قائم ہوئی تو وہ مضطرب

اور تصدیق کا لازمی جزو اُس کی وحدت کا اقرار ہے (۱۴)
اور وحدت کے اقرار کا تتمہ اُس کی بارگاہ میں خلوص ہے (۱۵)
اور خلوص کا ضروری تکملہ اُس سے صفات کی نفی ہے (۱۶)
کیونکہ ہر صفت اس کی مظہر ہوتی ہے کہ وہ موصوف کی غیر ہے
اور ہر موصوف اس کا ثبوت دیتا ہے کہ وہ صفت کے علاوہ (۱۷)۔

(نوٹ بقیہ صفحہ ۵) یعنی ڈانواڈول بھی۔ پہاڑوں کے بارے اُس میں ثبات قیام پیدا ہوا۔

(۱۲) کیونکہ بھیجنے والے کی ہستی ہی جب تک معلوم نہ ہو رسالت کیسی اور شریعت کہاں کی اور پابندی کس کی طرف سے اور پھر جزا و سزا کا کیا سوال؟

(۱۳) شک اور تذبذب کی منزل تک تصور رہتا ہے۔ ایمان بغیر تصدیق کے حاصل نہیں ہوسکتا جو اُس کے وجود اور کردگاری کو دل سے مان لینے کے ساتھ وابستہ ہے۔

(۱۴) کئی میں کا ایک ماننا حقیقت میں اُس ایک کا نہ ماننا ہے جو کسی حیثیت سے اپنا شریک نہیں رکھتا پھر تصدیق اُس کی کہاں رہ گئی؟

(۱۵) عبادت کا خلوص بھی جس سے بت پرستی کا سدباب ہو جائے اور معرفت کا خلوص بھی جس سے خود اُس کی ذات میں کسی قسم کی شرکت کا تصور باقی نہ رہ جائے۔

(۱۶) مقام معرفت میں خلوص اُسی وقت ہوگا جب اُس کی ذات میں صفات کی آمیزش تسلیم نہ کی جائے اس لیے کہ اگر اُس کی ذات کے ساتھ آٹھ صفتیں

توجس نے اللہ کے لیے اوصاف قرار دیے اُس نے اُس کا ساتھی بنا دیا (۱۸)

اور جس نے اُس کا ساتھی تجویز کرلیا اُس نے اُسے ایک سے زیادہ مان لیا (۱۹)

اور جس نے ایک سے زائد مان لیا اُس نے اُس کے اجزا قرار دے لیے (۲۰)

(نوٹ بقیہ صفحہ ۶) اور ہوگئیں جیسا کہ منتسبین اسلام کی اکثریت کا قول ہے تو اُس کی وحدت کا پورا اقرار ہوا ہی نہیں۔

(۱۷) یہ کہنا کہ صفات اُس کے عین ذات ہیں اس معنی سے درست ہے کہ ذات کے علاوہ صفات کے وجود ہی سے انکار کیا جائے ورنہ صفت صفت ہوتے ہوئے عین ذات ہو ہی نہیں سکتی اور ذات موصوف بحیثیت موصوفیت عین صفات نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا صفات کو ماننے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ انھیں زائد بر ذات مانا جائے اور جب زائد بر ذات مانا جائے گا تو وہ سب خرابیاں لازم آئیں گی جن کا اس کے بعد تذکرہ کیا گیا ہے۔

(۱۸) ذات اور اُس کے ساتھ اُس کے اوصاف جو مثل ذات قدیم ہیں۔

(۱۹) کم از کم نو جبکہ صفات کی تعداد آٹھ مانی جائے مگر چونکہ معیار بطلان میں عدد کی خصوصیت کو دخل نہیں ہے بلکہ دو مان لینا اُتنا ہی باطل ہے جتنا دو کرو ڑ ماننا اس لیے جناب امیرؑ نے خصوصیت عدد کو نظر انداز کرتے ہوئے ثنّاہ کی لفظ فرمائی ہے جس کا مطلب یہی ہوا کہ اُسے ایک سے زیادہ مانا

اور جس نے اُس کے اجزا قرار دے لیے وہ اُس سے بالکل بے خبر ہو گیا (۲۱)

اور جو اُس سے بے خبر ہو گیا اُس نے اُسے اشارہ کے قابل سمجھا (۲۲) اور جس نے اُسے اشارہ کے قابل سمجھ لیا اُس نے اُسے محدود مان لیا اور جس نے اُسے محدود مان لیا وہ اُسے اور دوسری چیزوں کی قطار میں لے آیا (۲۳)

اور جس نے کہا وہ کاہے میں ہے اُس نے اُسے کسی ظرف میں سمجھ لیا اور جس نے کہا وہ کاہے پر ہے تو اُس نے کہیں کہیں اُس سے خالی ہونے کا تصور کر لیا۔ وہ ہے اس طرح نہیں کہ ہوا ہو، موجود ہے ایسا نہیں کہ پہلے سے معدوم ہو (۲۴)

---

(۲۰) ذات اور صفات جس کے لیئے منطقی طور پر مابہ الاشتراک اور مابہ الامتیاز سے ترکیب لازم ہے،

(۲۱) کیونکہ وہ وہی ہے کہ جو بسیط حقیقی ہے جس کے اجزا نہیں ہیں۔

(۲۲) اشارہ کے قابل جسم ہوتا ہے اور مرکب ہونا جسمیت کا مستلزم ہے۔

(۲۳) اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جیسے سب چیزیں حادث ہیں ویسے ہی وہ بھی حادث ہو اور اس کا محتاج ہو کہ کوئی دوسرا خالق اسے حیز وجود میں لائے پھر وہ خدا نہیں۔

ہر چیز کے ساتھ ہے مگر اتصال جسمانی کے ساتھ نہیں اور ہر
شئی سے الگ ہے مگر جسمانی جدائی کی صورت سے نہیں۔ کاموں کا
کرنے والا ہے مگر اس معنی سے نہیں کہ اُس میں حرکتیں پیدا ہوں اور
وہ ذرائع کا محتاج ہو۔

---

(۴۴) دوسرا فقرہ پہلے کی شرح ہے "ہے اور ہُوا نہیں" کا مطلب یہی ہے کہ وہ
موجود ہے مگر ایسا نہیں کہ نیستی کے بعد ہستی سے متصف ہوا ہو بلکہ وہ سراسر ہستی
ہے نیستی کا اُس میں گذر نہیں اور اسی لیے وہ اپنے کمال میں محتاج اوصاف
نہیں جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔

(۳)

(۱) اُس کی ثنا و صفت کرتا ہوں اُس کی نعمت تمام کرانے کے لیے (۲) اور اُس کی عزت کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے مظاہرہ کے طور پر (۳)
اور اُس کی معصیت سے تحفظ حاصل کرنے کی خاطر (۴)
اور اُس سے مدد چاہتا ہوں اس بنا پر کہ میں اُس کی دستگیری کا محتاج ہوں (۵)

---

(۱) نہج البلاغہ مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۲۳ یہ اُس خطبہ کا ابتدائی حصہ ہے جو صفین سے واپسی کے وقت حضرت نے ارشاد فرمایا۔

(۲) وہ ثنا و صفت جو کسی والی نعمت کی ہو حمد ہونے کے ساتھ شکر کا مصداق ہوتی ہے اور شکر کا نتیجہ یہ بتایا گیا ہے کہ لئن شکرتم لازیدنکم اگر شکر ادا کروگے تو اور زیادہ عطا ہوگا۔ اس طرح یہ ثنا و صفت مزید تمامی نعمت کا ذریعہ ہوتی ہے۔

(۳) یہ سبب وہ ہے جو حمد کو بجائے خود ضروری قرار دیتا ہے قطع نظر اس سے کہ اس پر کیا فائدہ مترتب ہوتا ہے۔ یہ فریضۂ عبودیت کا ادا کرنا ہے

(۴) یہ نفسیاتی اثر ہے جو حمد پر مترتب ہے کہ اس سے نفس میں عظمت الٰہی کا احساس تازہ ہوتا رہتا ہے جو معصیت سے مانع ہے۔ واضح ہونا چاہیے کہ یہ فقرہ حمد کا بذاتِ خود اثر ظاہر کرنے کے لیے ہے قطع نظر اس سے کہ ان الفاظ کا متکلم خود معصوم یعنی معصیت سے لازمی طور پر بری ہے۔

یقیناً جس کی وہ خصوصی ہدایت کردے (۶)
وہ کبھی گمراہ نہیں ہوگا اور جس کا وہ دشمن ہو جائے (۷)
وہ کہیں پناہ نہیں پائے گا اور جس کا وہ دستگیر ہو وہ کسی
کا محتاج نہیں ہوگا۔ بے شک یہ ثنا و صفت میزانِ عمل میں ہر شے سے
گراں تر اور ہر اندوختہ سے بہتر ہے اور میں اقرار کرتا ہوں کہ کوئی
سچا معبود نہیں سوا اللہ کے جو اکیلا ہے۔ اُس کا کوئی شریک نہیں
ایسا اقرار جس کا خلوص آزمایا ہوا اور جس کا کھرا پن مانا ہوا ہے۔
ہم اس اقرار سے وابستہ رہیں گے ہمیشہ جب تک جان میں جان
ہے اور اُسے ذخیرہ کریں گے اُن ہولناک مراحل کے لیے جو ہمیں
درپیش ہوں گے کیونکہ یہ ایمان کا مستحکم عقیدہ اور حسنِ عمل کا سرنامہ

---

(۵) یہ احتیاج امکان کا لازمہ ہے جس کے لحاظ سے قرآن میں آیا ہے
واللہ الغنی وانتم الفقراء۔
(۶) یہ خصوصی ہدایت خیر کی راہ میں انسان کی ذاتی جدوجہد اور
استحقاق کی بنا پر شاملِ حال ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے والذین
جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا جو ہماری راہ میں جدوجہد کرتے ہیں
انھیں ہم اپنے راستوں کی طرف خصوصی ہدایت شاملِ حال کرتے ہیں۔
(۷) یہ دشمنی اُن کی بداعمالی پر غضب کی صورت میں ہوتی ہے۔

(۸) اور رضائے پروردگار کا وسیلہ اور شیطان کے دور کرنے کا ذریعہ ہے (۹)

---

(۸) جیسا کہ اس کے قبل کے خطبہ میں آچکا ہے۔ اول الدین معرفتہ حسن عمل دین سے وابستہ ہے اور دین کی پہلی منزل اللہ کی معرفت ہے۔

(۹) اللہ کا عقیدہ ہی وہ ہے جو انسان کو جذبات نفس کی رَو میں چلنے سے روکتا ہے جذبات نفس کے تقاضوں سے انسان کا بچانا ہی شیطان کو دور کرتا ہے۔

(۳)

(۱) سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو اسرار پوشیدہ کی گہرائی میں اُترا ہوا ہے (۲)

اور عالم شہود کی نشانیاں اُس کا پتہ دے رہی ہیں۔ (۳)
مگر وہ خود دیکھنے والوں کی آنکھ کے قابو سے باہر ہے (۴)
تو نہ اُس شخص کی آنکھ جس نے اُسے دیکھا نہیں اُس کے انکار

---

(۱) نہج البلاغہ طبع مصر صفحہ ۱۰۷

(۲) اس کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اسرار پوشیدہ کی انتہائی تہوں سے واقف ہے مگر دوسرے فقرہ کے ساتھ تقابل کی بنا پر یہ مفہوم زیادہ درست معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی کُنہ حقیقت اسرار مخفی کی انتہائی گہرائی میں ہے جس تک رسائی کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔

(۳) یعنی وہ اُس کی ہستی کو بتا رہی ہیں اُسی عام اصول پر کہ نقش بغیر نقاش کے اور اثر بغیر مؤثر کے نہیں ہو سکتا۔

(۴) اُس کا دیدار نہیں ہو سکتا۔ نہ دنیا میں نہ آخرت میں اس لیے کہ اُسے نہ دیکھ سکنا اگر ہمارے قصور نظر کا نتیجہ ہوتا تو باعتبار زمان و مکان اس میں فرق ہو سکتا تھا مگر وہ تو اُس کے "امتناع ذات" کا نتیجہ اور ظاہر ہے کہ اُس کی ذات پر زمان و مکان کا فرق کبھی اثر انداز نہیں ہوتا۔

کا حق رکھتی ہے اور نہ اُس کا دل جو اُس کے وجود کا اقرار رکھتا ہے۔ اُس کے دیکھنے کا دعوے دار ہے (۵)

وہ بلندی میں سب سے آگے ہے، تو کوئی چیز اُس سے زیادہ بلند نہیں اور پاس ہونے میں سب سے نزدیک ہے تو کوئی چیز اُس سے زیادہ نزدیک نہیں۔ تو نہ اُس کی بلندی نے اُس کے کسی مخلوق سے اُسے دور کر دیا ہے اور نہ اُس کی نزدیکی نے اُسے مکان میں اُس کے برابر بنا دیا ہے (۶)

اُس نے عقلوں کو اپنی صفت کی حد بندی سے واقف نہیں کیا ہے اور انھیں بقدر ضرورت معرفت سے روکا نہیں ہے (۷)

---

(۵) مقصد یہ ہے کہ تصدیق عقلی اور مشاہدۂ بصری میں کوئی تلازم نہیں ہے لہٰذا نہ دوسرے کی نفی پہلے کی نفی کو مستلزم ہے اور نہ پہلے کا ثبوت دوسرے کے ثبوت کا [illegible] بعض [illegible] یہ فقرہ اس طرح سے [illegible] آنکھیں کہ جنھوں نے اُسے دیکھا نہیں اُس کا انکار کرتا ہے اور نہ وہ دل کی آنکھ جو اُس کے وجود کا اقرار کرتا ہے اُس کا مشاہدہ کرتی ہے [illegible] اس کا [illegible] نقل صادق ہے۔

(۶) اس بنا پر کہ نہ وہ بلندی جسمانی ہے نہ نزدیکی۔ وہ بلندی [illegible] مرتبت کی وجہ سے ہے اور یہ نزدیکی بہ لحاظ احاطۂ علم و قدرت۔

(۷) یہ ترجمہ ہے [illegible] کے دونوں فقروں کے اُس مفہوم کا جسے ہم نے

وہ ذات وہ ہے جس کے لیے وجود کی نشانیاں ہٹ دھرمی سے اُس کے انکار کرنے والے کے بھی دلی اقرار کی گواہی دیتی ہیں (۸)

برتر ہے اللہ اور بہت برتر اُن باتوں سے جو اُس کے ساتھ اُس کے غیر کو مشابہ قرار دینے والے (مشرکین) اور اُس کا ہٹ دھرمی سے انکار کرنے والے (ملحدین) اُس کی نسبت زبان پر لاتے ہیں۔ (۹)

نوٹ بقیہ صفحہ ۱۴) معرفت کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

(۸) بعض لوگ ”شعوری“ طور پر اُس کے وجود کے منکر بھی ہیں مگر دلائل اتنے قوی ہیں، اور اُن کا اثر انسانی تحت الشعور میں اتنا راسخ ہے کہ اُن منکرین کا دل بھی لاشعوری طور پر اُس کا اقرار کرتا ہے۔

(۹) یہ بھی بطور لف ونشر سابق کلمات ہی کے نتیجے ہیں۔ ”وہ اسرار پوشیدہ کی گہرائی میں اُترا ہوا ہے“ ”بلندی میں سب سے آگے“۔ اور ”عقول اُس کی صفت کی حد سے واقف نہیں ہیں“ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تعالی عما یقول المشبھون علوا کبیرا دوسری چیزوں کو اُس کے مثل و مانند قرار دینے والوں کے مزعومات سے برتر ہے۔ اور ”عالم شہود کی نشانیاں اُس کا پتہ دیتی ہیں“ ”سب سے نزدیک ہے ایسا کہ کوئی اُس سے زیادہ نزدیک نہیں“ اور اُس نے اُنھیں بقدر ضرورت اپنی معرفت سے محروم نہیں کیا“ اس لیے تعالی عما یقول الجاحدون علوا کبیرا۔ وہ ہٹ دھرمی سے انکار کرنے والوں کی باتوں سے بالاتر ہے۔

(۴)

(۱) سب تعریف اللہ کے لیے ہے۔ جہاں یہ بات ممکن نہیں کہ پہلے
کچھ ہو اور بعد کو کچھ اور (۲)
پہلے اول ہو اور پھر آخر اور پہلے آشکار ہو اور پھر پوشیدہ (۳)
اُس کے سوا جسے ایک کہا جائے اُس میں قلت ہوگی اور اُس کے
سوا جو بھی غالب ہو وہ کبھی مغلوب ہوگا اور اُس کے سوا جو طاقت ور
ہو وہ کبھی کمزور ہوگا اور اُس کے سوا جو مالک ہوگا وہ کسی کا مملوک ہوگا
اور اُس کے سوا جو عالم ہو وہ کسی دوسرے سے علم حاصل کیے ہوئے ہوگا
اور اُس کے سوا جو قادر ہو وہ کبھی قادر ہوگا اور کبھی عاجز اور اُس کے
سوا جو سننے والا ہو وہ بہت دھیمی آواز کے سننے سے قاصر اور بہت
تیز آواز کی برداشت سے عاجز ہوگا۔ اور جو دور آواز ہو وہ اُسے سنائی
نہ دے گی اور اُس کے سوا جو دیکھنے والا ہو وہ ہلکے رنگوں اور باریک
چیزوں کے دیکھنے سے مجبور رہے گا۔ اُس کے سوا جو آشکار ہو وہ پوشیدہ

---

(۱) نہج البلاغہ طبع مصر ج ۱ ص ۱۲۳
(۲) کیونکہ تغیر احوال دلیل حدوث ہے اور خالق متعال قدیم بالذات ہے
(۳) دوسروں کے لیے صفات ظہور و خفا ثابت ہوتے ہیں اس لیے [illegible]
[illegible] کا اطلاق [illegible]

نہ ہوگا اور جو اس کے سوا پوشیدہ ہو وہ آشکار نہ ہوگا اس نے جو کچھ پیدا کیا نہ اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے کے لئے پیدا کیا نہ زمانہ کی نیرنگیوں کا اندیشہ محسوس کرکے "داشتہ آید بکار" کے طور پر، اور نہ کسی حملہ آور حریف کثرت حشم و خدم میں مقابلہ کرنے والے ساجھی، اور تفاخر و مباہات کے میدان میں آنے والے کسی مدمقابل کے مقابلہ میں قوت حاصل کرنے کے لیے بلکہ یہ تمام مخلوقات ہیں جن کی اُسے تربیت کرنا ہے اور یہ سب اُس کے بندے ہیں جو اُس کے سامنے جھکے ہوئے ہیں وہ کائنات کی تمام چیزوں میں حلول کیے ہوئے نہیں ہے کہ کہا جائے وہ اُن کے اندر ہے (۴)

(نوٹ بقیہ صفحہ ۱۶)

ہوتا ہے اس لیے سب تمام ایک ساتھ صادق آتے ہیں وہ اول ہے۔ بایں معنی کہ مبدا المبادی ہے اور آخر بایں معنی کہ غایۃ الغایات اور یہ دونوں باتیں ایک ساتھ ہیں۔ اسی طرح اول ہے ازلی ہونے کے لحاظ سے اور آخر ہے ابدی ہونے کے اعتبار سے اور ازلی و ابدی دونوں باتیں وجوب وجود کا نتیجہ ہیں۔ اس لیے وہ ایک ہی ساتھ حاصل ہیں۔ اسی طرح آشکار ہونا آثار قدرت کے لحاظ سے ہے اور پوشیدہ ہونا کنہ ذات کے اعتبار سے اور یہ دونوں باتیں بھی ایک ہی ساتھ مجتمع ہیں۔

(۴) اس میں "ہمہ اوست" کی بھی رد ہے۔ جو صوفیہ اور حکماء کے ایک طبقہ کا

ورنہ ان سے دور ہے (۵)

کہ کہا جائے وہ ان سے الگ ہے۔ جو کچھ اس نے پہلی ہی دفعہ (۶)
پیدا کر دیا اس کے پیدا کرنے یا جو کچھ پیدا کر چکا ہے اس کے انتظام
میں اسے کبھی کوئی زحمت پیش نہیں آئی۔ اور نہ کسی مخلوق کے پیدا کرنے
سے عاجزی کبھی اس کے سد راہ ہوئی اور نہ جو اس نے فیصلے کیے
اور مقدرات طے کیے ان میں اسے شک و شبہ ہوا بلکہ فیصلہ مضبوط
علم استوار اور [illegible] ہے۔ نعمتوں اور عذابوں میں بھی اسی سے
امید اور زحمتوں اور [illegible] میں بھی اسی کا آسرا ہے۔ (۷)

(نوٹ بقیہ صفحہ ۱۷)

مسلک ہے "اوتار" [illegible] کا عقیدہ ابطال ہے جس کے نصاریٰ قائل ہیں۔ اور
"اوتار" کے عقیدہ کا بھی ضرور [illegible] ہے جس کی ہندو جماعت اور نیز باطنیہ
اسماعیلیہ وغیرہ معتقد ہیں۔

(۵) کیونکہ دوری کبھی صفات اجسام میں سے ہے اور نیز دوری سے علم و قدرت
میں کمی کا تصور پیدا ہوتا ہے جو درست نہیں ہے۔ بلکہ اس لحاظ سے وہ
رگ گردن سے زیادہ قریب ہے۔

(۶) یعنی بغیر نمونہ کے سامنے رکھے ہوئے۔

(۷) یہی امید و بیم تقاضائے ایمان ہے اور اصلاح نفس کے لیے ان دونوں
کی ضرورت ہے۔

(۵)

(۱) سب تعریف اللہ کے لیے ہے۔ جو اپنی قوت و قدرت کے اعتبار سے تمام کائنات کی دست رس سے بالا ہے۔ اور اپنے فیض و عطا کے لحاظ سے ہر ایک کے پاس ہے (۲)

(۲) ہر دولت و نعمت کا بخشنے والا۔ اور ہر مصیبت اور سختی کا دور کرنے والا ہے۔ (۳)

---

(۱) نہج البلاغہ مطبوعہ مصر ج ۱ صفحہ ۱۴۳۔ یہ اُس لمبے خطبہ کے ابتدائی فقرات ہیں جو خطبۂ عجیبہ اور "خطبہ غرّاء" کے ناموں سے موسوم ہے۔

(۲) ان دونوں فقروں میں صنعت طباق و تضاد اس طرح ہے۔ کہ دست رس سے بالا ہونے کا لازمہ بظاہر یہ ہونا چاہیئے۔ کہ ہم سے دور ہو۔ اور جب دور ہو تو ہماری اچھائی برائی کی خبر بھی نہ رکھے مگر وہاں ایسا نہیں ہے، وہ قدرت و قوت میں دست رس سے بالا ہونے کے باوجود فیض و عطا کے لحاظ سے ہر ایک کے پاس ہے۔ اور ہر دکھ درد سے ہمارے باخبر۔ اسی اعتبار سے قرآن میں اُسے اقرب من حبل الورید۔ رگ گردن سے زیادہ نزدیک کہا گیا ہے۔ ان دونوں باتوں کا اجتماع کسی مخلوق میں نہیں ہوتا۔ مخلوق تو اگر ذرا بڑا اور طاقتور ہوتا ہے۔ تو وہ کمزور اور پست افراد کی طرف نظر بھر کر دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔

(۳) یعنی اُس کی قدرت کسی دولت و نعمت کے بخشنے اور کسی مصیبت و سختی کے دور کرنے سے قاصر نہیں ہے۔ مگر وہ ایسا کرتا اُسی حد تک ہے جس حد تک حکمت و مصلحت کے مطابق ہو۔

میں اُس کی ثنا و صفت کرتا ہوں۔ اُس کے فضل و کرم کی مہربانیوں اور اُس کی بھرپور نعمتوں کی فراوانیوں کی بنا پر۔(۴) اور ایمان لاتا ہوں اُس پر کہ وہ ہر ایک سے مقدم اور نمایاں ہے۔ اور رہنمائی کا طلب گار ہوں اُس سے کہ وہ قریب اور رہنمائی کا کفیل ہے اور مدد کا خواستگار ہوں اُسی سے کہ وہ توانا اور زبردست ہے اور بھروسا کرتا ہوں اُس پر کہ وہی کافی ہے اور مدد پر تیار ہے۔

---

(۴) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حمد بربنائے شکر ہے۔

(۶)

(۱) میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی سچا معبود نہیں سوا اللہ کے جو ایک اکیلا ہے اُس کا کوئی شریک نہیں۔ پہلا ایسا جس کے پہلے کوئی چیز نہیں (۲) اور آخری ایسا جس کی کوئی انتہا نہیں۔ (۳)

تصورات اس کی کسی صفت کی تہ تک پہنچ نہیں سکتے۔ (۴)

اور دل اُس کے لیے کسی کیفیت کو محسوس نہیں کر سکتے۔ (۵)

اور تقسیم و تجزیہ اُسے پا نہیں سکتا۔ (۶)

اور آنکھیں اور دل و دماغ اُس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ (۷)

---

(۱) نہج البلاغہ ط مصر ص۱۶۱

(۲) کیونکہ ازلی ہے ہمیشہ سے ہے۔

(۳) کیونکہ ابدی ہے اُس کے لیے فنا نہیں۔

(۴) اس لیے کہ اُس کے لیے ذات کے علاوہ صفات ہیں نہیں اور کنہ ذات کا اُس کی تصور غیر ممکن ہے۔

(۵) کیونکہ کیفیات حادث ہوتے ہیں اور وہ ذات واجب ہیں قائم نہیں ہو سکتے۔

(۶) کیونکہ اگر اجزاء سے مرکب ہو تو اجزاء کا محتاج قرار پائے اور تحلیل اُس کی اجزاء کی طرف ہو سکے تو وہ جسم قرار پائے اور جسم کے لیے احتیاج لازم ہے۔

(۷) "آنکھیں احاطہ نہیں کر سکتیں" یہ نفی رویت ہے اور دل و دماغ احاطہ نہیں کر سکتے، اس کے معنی یہی ہیں کہ اُس کی کنہ حقیقت کا تصور غیر ممکن ہے

(۷)

(۱) وہ پوشیدہ رازوں سے باخبر اور دلوں کی باتوں سے واقف ہے۔ اُس کے لیے احاطہ ہے ہر شے پر اور غلبہ ہے ہر چیز پر اور طاقت ہے ہر بات پر (۲)

---

(۱) نہج البلاغہ ج ۱ صفحہ ۱۶۲

(۲) اس فقرے کا پہلا جزو علم سے متعلق ہے اور دوسرے دونوں جزو قدرت سے۔ ان میں سے پہلے میں قدرت کا اظہار ہے مزاحم افراد اور اشیاء کے مقابلہ میں جو اُس کے مقاصد میں سدِ راہ ہونا چاہیں اور دوسرے میں قدرت کا اظہار ہے اُس کے اپنے افعال میں جو اسے مطلوب ہوں۔

(۸)

(۱) ہر طرح کی تعریف اللہ کے لیے ہے جو بغیر دیکھے جانا پہچانا ہوا اور بغیر سوچ بچار کے پیدا کرنے والا ہے۔ (۲)

جو ہمیشہ سے قائم و برقرار رہا جب نہ آسمان تھا برجوں والا اور نہ پردے تھے بڑے پھاٹکوں والے۔ (۳)

---

(۱) نہج البلاغہ ج ۱ ص ۱۴۲

(۲) غور و فکر کی ضرورت خود ایک احتیاج ہے اور احتیاج نقص ہے جس سے ذات الٰہی بری ہے۔ غور و فکر کی ضرورت علم حصولی نظری میں ہوتی ہے اور اللہ کا علم ہر شے کے بارے میں حضوری ہے اس لیے محتاج غور و فکر نہیں ہے۔ غور و فکر کو اگر کام میں تردد کے معنی میں لیا جائے تو وہ اس لیے وہاں نہیں کہ غور و فکر نتائج سے پورے طور پر عدم واقفیت اور جہات مصالح پر عدم احاطہ کی بنا پر ہوتا ہے اور یہ دونوں باتیں جہالت میں داخل ہیں جو خالق متعال کے لیے ممکن نہیں۔

(۳) حجب اور سرادقات، پردوں اور سراپردوں کا ذکر اکثر کلمات معصومینؑ اور ادعیہ میں وارد ہے مگر ان کی حقیقت سمجھنے سے ہمارے افہام جو مادیت میں گھرے ہوئے ہیں قاصر ہیں۔ پردے اور اُن کے بڑے بڑے دروازے جن کے لیے ترجمہ میں ہم نے پھاٹک کی لفظ استعمال کی ہے۔ پتہ دیتے ہیں کہ وہاں ایک شے محیط ہے جسے بطور پردہ سمجھا جائے اور پھر اُس میں نفوذ کے وسیع راستے ہیں جنھیں اُن کا پھاٹک سمجھا جائے۔

نہ سناٹے والی رات اور نہ تھما ہوا سمندر، نہ گھاٹیوں والے پہاڑ اور نہ پیچ و خم رکھنے والی گھاٹیاں، نہ بچھونے کی طرح والی زمین۔(۴)

اور نہ قوت و طاقت والی مخلوق وہی اس خلق کو نیستی سے ہستی میں لانے والا تھا اور وہی اس کے دوبارہ نیست ہونے کے بعد باقی رہنے والا ہے۔(۵)

اور وہی اس مخلوق کا قبلۂ حاجت اور اُس کا ولی نعمت ہے اور آفتاب و ماہتاب جان کھپائے ہیں اُسی کی خوشنودی میں۔(۶) وہ ہر شئے کو پرانا کرتے اور ہر دور کو نزدیک لاتے ہیں۔ اُس نے

---

(۴) قرآن میں بھی زمین کو بچھونا کہا گیا ہے والارض مهادا۔اسے کرویت زمین کے مخالف نہیں سمجھنا چاہیئے اس لیے کہ قرآن و حدیث کی نظر اُس مصرف پر ہے جو زمین کا ہمارے لیے ہے۔ وہ پوری بطور کرہ ہی مگر جو حصہ اُس کا ہمارے تحت تصرف ہے وہ تو محسوس طور پر بصورت فرش ہی ہے۔

(۵) یہ اُسی کی دلیل ہے کہ وہ کوئی قوت نہیں جو اسی کائنات کے اندر جاری و ساری ہو بلکہ وہ ایک ذات ہے جو اس کائنات سے بے نیاز طور پر موجود ہے۔

(۶) یہ تسخیری اطاعت ہے جو کائنات کا ہر ذرہ کر رہا ہے مگر آفتاب و ماہتاب کے حرکات و افعال چونکہ نمایاں زیادہ ہیں اس لیے اُن کا خصوصیت سے تذکرہ کیا گیا۔

سب آدمیوں کی روزیاں تقسیم کیں اور وہ اُن کے واقعات، کارناموں، سانسوں کے شمار، دزدیدہ نگاہوں، دلوں کی چھپی ہوئی نیتوں اور شکمِ مادر اور صلبِ پدر میں ان کے رہنے اور امانت رکھے جانے کے مقاموں سے لے کر اُن کے آخری انجاموں تک پر پورا احاطہ رکھتا ہے۔ (۷)

وہ وہ ہے کہ جس کا غضب اُس کی وسعتِ رحمت کے باوجود اپنے دشمنوں پر بہت شدید ہے اور جس کی رحمت اُس کی شدتِ غضب کے باوجود اپنے دوستوں پر نہایت وسیع ہے۔ (۸)

---

(۷) اس سے اُن فلاسفہ کی رد ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ خدا کو کلیات کا علم ہے جزئیات کا نہیں۔ اسی لیے جزئیات کے بیان میں یہاں اور بعض دوسرے مقامات پر اس سے بھی زیادہ تفصیل سے کام لیا گیا ہے جو سننے والے کے ذہن میں زیادہ سے زیادہ اس حقیقت کو جاگزیں بنا دے۔

درحقیقت انسان کو اپنے کردار میں محاسبہ کا اندیشہ جو اصلاحِ عمل کا محرک ہوتا ہے اس حقیقت کو سمجھنے سے وابستہ ہے کہ اللہ کو جزئی سے بھی جزئی بات کا علم ہوتا ہے۔

(۸) طبعی تقاضوں میں عموماً یک رنگی ہوتی ہے۔ خدا کی رحمت یا اُس کا غضب کوئی طبعی تقاضا نہیں جس کا نتیجہ ہمیشہ ایک ہی طرح رونما ہو بلکہ وہ دونوں حکمت کا تقاضا ہیں اس لیے ان میں سے ہر ایک اپنے محل پر نمایاں ہے۔

وہ دبا دینے والا ہے اُس کا جو عزت میں اُس کا مقابلہ کرے اور تباہ کرنے والا ہے اُس کا جو اُس سے مخالفت کرے اور ذلیل کر دینے والا ہے اُس کو جو اُس سے لاگ ڈانٹ کرے اور غلبہ پانے والا ہے اُس پر جو اُس سے عداوت باندھے اور جو اُس پر بھروسا کرے وہ اُس کے لیے کافی ہے اور جو اُس سے مانگے وہ اُسے دیتا ہے اور جو اُس کو قرضہ دے وہ اُسے ادا کرتا ہے۔(۹) اور جو اُس کی نعمتوں کا حق ادا کریگا وہ اُسے صلہ عطا کریگا(۱۰)

---

(۹) قرآن میں خیر خیرات کی دعوت دیتے ہوئے یہ الفاظ صرف ہوئے ہیں واقرضوا اللہ قرضاً حسنا۔ چونکہ قرضہ میں یہی ہوتا ہے کہ اپنے پاس سے اس وقت جاتا ہے اور ملتا بعد کو ہے۔ اسی طرح عمل خیر کی جزا اس وقت نہیں ملتی۔ بعد کو ملے گی اس لیے اُس کو قرض سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قرض کا ادا کرنا اُس کی جزا کا دینا ہے جو بربنائے وعدہ اللہ کے لیے لازم ہے اور جس کا تخلف ممکن نہیں ہے

(۱۰) نعمتوں کا حق ادا کرنا "شکر" ہے اور اُس کا صلہ نعمتوں میں اضافہ ہے جیسا کہ ارشاد ہوا۔ ولئن شکرتم لازیدنکم۔

(۹)

(۱) حضرت کا وہ مہتم بالشان خطبہ جو خطبۂ اشباح کے نام سے مشہور ہے کسی سائل نے کہہ دیا تھا کہ اللہ کا اس طرح وصف بیان کریجیے جیسے کہ ہم آنکھوں سے اُس کو دیکھ رہے ہوں۔ یہ سُن کر آپ غضبناک ہوگئے اور فرمایا:-

سب تعریف اللہ کے لیے ہے جسے نعمت وعطا کا روکنا خزانہ کے بڑھانے کا سبب اور کثرت سے عطا وفیض کا بخشنا کبھی بھی عاجزی کا باعث نہیں ہے کیونکہ اُس کے سوا جو بھی داد و دہش کرتا ہے اُس سے اُس کے پاس کچھ کمی ہو جاتی ہے اور اُس کے سوا کوئی دوسرا جب عطا وفیض سے انکار کرتا ہے تو اُس کی مذمت کی جاسکتی ہے۔(۲)

اور وہ طرح طرح کی نعمتوں کے فیض اور گوناگوں امدادیں پہنچا کر احسانات کرنے والا ہے جس کے دست نگر تمام مخلوقات ہیں۔ اُس

---

(۱) نہج البلاغہ طبع مصر ج ۱ ص ۱۶۴

(۲) خالق کا عطا وفیض سے انکار اس بنا پر ہوتا ہے کہ وہ عطا نظام مجموعی کی مصلحت کے خلاف ہے اور فرد کا مفاد تمام نظام کے مقابلہ میں نظر انداز کر دیے جانے کے قابل ہے اس لیے یہ انکار ہمیشہ مستحسن ہی ہوتا ہے اور اُس کا

نے اُن کے رزقوں کی ذمہ داری لی ہے۔(۳)

اُن کی روزیاں مقرر کردیں، اور اپنی طرف رُخ کرنے والوں اور اُس کے پاس کے اجر و ثواب کے طلبگاروں کے لیے بھی راستہ بنا دیا ہے۔(۴)

اُس کی فیاضی کا انحصار اس پر نہیں کہ اُس سے سوال کیا جائے تو عطا کرے اور نہ سوال کیا جائے تو نہ دے۔(۵)

وہ بھلا جس کے بہلے کا تصور ہی غلط ہے تاکہ کوئی چیز اُس

(نوٹ بقیہ صفحہ ۲۷) غیر جو انکار کرتا ہے وہ کبھی صرف بربنائے بخل ہوتا ہے اور کبھی بربنائے رقابت اور کبھی خود اپنی ضرورت مندی کے خطرے سے اور ان میں سے ہر صورت میں وہ مستحق مذمت قرار پاتا ہے۔ اللہ اس قسم کے انکار سے بری ہے۔

(۳) اس ذمہ داری کو سب کے لیے پورا کیا گیا ہے اسباب رزق کو پیدا اور قوائے عمل ہر ایک کو عطا فرما کر۔ نہ یہ کہ وہ اس معنی سے ذمہ دار ہے کہ اب کسی کو جد و جہد کی بھی ضرورت نہیں۔

(۴) اپنے پسندیدہ دین اور کردار کی طرف رہنمائی کر کے۔

(۵) بے شک دعا کا حکم احساس عبودیت کے زندہ رکھنے کے لیے ہے اور اس طرح وہ مستقل عبادت ہے اور اس عبادت کی طرف بندوں کو راغب کرنے کے لیے بعض نتائج کے حصول کو دعا کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے۔ وہ دعا کے بعد حاصل ہوتے ہیں۔ اسی کا نام اجابت دعا ہے

سے پہلے ہو (۶)

اور وہ آخر جس کے بعد کا تصور ہی نہیں صحیح تاکہ کوئی چیز اُس کے بعد ہو۔(۷)

وہ جو آنکھوں کی پتلیوں کو اسے پانے یا اس تک پہنچنے کی کوشش سے ڈانٹ کر روک دینے والا ہے۔(۸)

اُس پر زمانہ کی آمد و رفت نہیں تاکہ اُس کے حالات میں اختلاف پیدا ہو (۹)

---

(۶) قدیم بالذات اور ازلی ہوتے ہوئے "قبل" کی لفظ کی اضافت ہی اُس کی ذات کی طرف بے معنی ہے اور جب یہ مفہوم غیر ممکن الثبوت ہے تو اُس کے مصداق کا سوال ہی کیا؟

(۷) ابدی اور لازوال ہوتے ہوئے بعد کی لفظ کی اضافت اُس کی طرف صحیح نہیں اور اس مفہوم کا ثبوت امر محال ہے لہذا اُس کے مصداق کا تصور کیسا؟

(۸) یہ انداز تعبیر اس حقیقت کا مظہر ہے کہ اُس کا جلال و کمال مانع رویت ہے نہ کہ ہمارا نقص احساس اس کے بعد جیسا کہ پہلے بھی اشارہ ہو چکا ہے دنیا اور آخرت کی تفریق غیر معقول ہے۔

(۹) زمانہ اگر مقدار حرکت فلک کا نام ہے تو وہ اُن ہی چیزوں کے لیے ہو سکتا ہے جو فلک سے مؤخر ہوں اور اگر کوئی اور امر موہوم ہے تو بھی معروض اُس کا وہ حقیقت ثابتہ نہیں ہو سکتی جو حدود اوہام سے مقدم ہے اور اگر امر اعتباری

اور نہ وہ کسی مکان میں محدود ہے تاکہ منتقل ہونا اُس کے لیے
درست سمجھا جائے (۱۰)
اگر وہ سب کچھ دے دے جیسے پہاڑوں کی کانیں اپنی سانسوں
سے برآمد کرتی (۱۱)
اور سمندروں کی سیپیاں ہنسی ہنسی میں نمایاں کرتی ہیں (۱۲)
چاندی اور سونے کی دھاتوں اور بکھرے ہوئے موتیوں اور

(نوٹ بقیہ صفحہ ۲۹) سے یہ ثبوت اُس کا اعتقاد قائم کرنے والوں کے وجود سے
موثر ہے بہرحال ذاتِ الٰہی حدود اور زمانے میں اسیر نہیں ہے۔
(۱۰) مکان صفاتِ اجسام میں سے ہے اس لیے ذاتِ الٰہی کے لیے ثابت نہیں
ہو سکتا اور انتقال جو اجسام حرکت میں سے ہے نیستی و ہستی کی آمیزش کا کرشمہ ہوتا
ہے اس لیے ذاتِ حق سبحانہ کے لیے ناممکن ہے۔
(۱۱) بخارات کے احتباس اور اُن کے اثرات سے معادن کا وجود ہوتا ہے۔
ان کے لیے سانسوں کی لفظ ادبی حیثیت سے کتنی بیش قیمت ہے۔
(۱۲) سیپی کے اندر سے موتی کے ظاہر ہونے کے لیے "ہنسی" یعنی "خندۂ دنداں نما"
کی تعبیر بھی کس قدر حسین و لطیف ہے!
(۱۳) گزشتہ دونوں فقروں کے بعد یہ تفصیل لف و نشر مرتب کے طور پر ہے یعنی
پہاڑوں کی کانیں اپنی سانسوں سے جو برآمد کرتی ہیں وہ کیا ہے؟ چاندی اور
سونے کی دھاتیں اور سیپیاں اپنی ہنسی میں جسے ظاہر کرتی ہیں وہ آبدار

دروکیے ہوئے مونگے کی صورت میں (۱۳)
تو یہ اُس کی فیاضی پر کچھ بھی اثر انداز اور اُس کے پاس کی دولت کے ختم کرنے کے ذرا بھی باعث نہیں ہو سکتا اور اُس کے پاس پھر بھی نعمت کے ذخیروں سے اتنا رہے گا جسے تمام کائنات کی خواہشیں بھی ختم نہیں کر سکتیں اس لیے کہ وہ ایسا فیاض ہے جس کے دریائے فیض میں مانگنے والوں کی مانگ کمی پیدا نہیں کرتی اور اصرار بیجا کرنے والوں کا حد سے بڑھا ہوا اصرار بھی اُس کو بخل پر آمادہ نہیں کرتا۔ (۱۴)

(اسی خطبہ میں پھر ارشاد ہوتا ہے) وہ ایسا قادر ہے کہ جب انسانی خیالات اُس کی قدرت کی انتہائی حد معلوم کرنے کے لیے دوڑ

(نوٹ بقیہ صفحہ ۱۳۰)
موتی ہیں، مونگے کا ذکر صرف موتی کے تناسب سے کر دیا گیا ہے۔ مونگے کے لیے "درو" کی لفظ اُس نشو ونما کی صفت کی طرف اشارہ کرتی ہے جس کی بنا پر مرجان کو بعض علماء نے نباتات میں داخل سمجھا ہے اور جس کے اعتبار سے "شاخ مرجان" کی لفظ مستعمل ہوتی ہے۔
(۱۴) بسا اوقات ایک منعم کو نفسیاتی طور پر بے محل اصرار کی زیادتی ضد و کد پیدا کر کے انکار پر آمادہ کر دیتی ہے جس کا سبب ایک طرح کا چڑھ جانا ہوتا ہے۔ خالق کریم چونکہ جذبات سے بری ہے اس لیے اُس کے یہاں یہ صورت پیدا نہیں ہو سکتی۔

نگار رہے ہوں اور نفسانیت کے وسوسوں سے مبرّا فکر (۵)
اُس کے جبروتِ اقتدار کی غیبی گہرائیوں میں جا کر اُس کی کنہ
ذات معلوم کرنے کا ارادہ کیے ہوئے ہو اور اُس کے اوصاف کی
کیفیت میں جانے کے لیے دل والہانہ کیفیت کے ساتھ مصروفِ جستجو
ہوں اور عقل اُس کی ذات کا علم حاصل کرنے کے لیے انتہی گہرائیوں
تک پہونچ چکی ہو جب الفاظ مقامِ توصیف میں ادا بھی نہیں کر سکتے
تو ایک دم عین اُس وقت جبکہ وہ (خیالات و تفکرات و تصورات)
بالکل اُس سے لو لگائے ہوئے غیبی تاریکیوں کی گہرائیوں کو طے کر رہے
ہوتے ہیں اُنھیں ڈانٹ پڑتی ہے اور ایسا دھکا لگتا ہے کہ وہ واپس
ہونے پر مجبور ہوتے ہیں یہ اقرار کرتے ہوئے کہ اپنے حدود سے کتنے
ہی آگے بڑھنے پر بھی اُس کی کنہ معرفت حاصل نہیں ہو سکتی اور صاحبانِ
فکر کے ذہن میں اُس کے جلال و عزت کو کسی پیمانہ میں محدود بنانے کا
کوئی خیال گردش کرنا ہی غلط ہے۔

---

(۵) جو نفسانیت کے وسوسوں سے گھری ہوئی فکر ہو اُسے تو خود وسوسوں کی آمیزش
ہی اُس تک پہنچنے سے مانع ہو گی لیکن جو وسوسوں سے بری فکر ہے اُس کی اپنی جانب سے
کوئی مانع موجود نہیں مگر خالق کا [illegible] ہو ذات اُسے بھی کنہ حقیقت تک پہنچنے سے قاصر

وہ جس نے کائنات کی ایجاد کی بغیر کسی نمونہ کے جسے پیش نظر رکھا ہو اور بغیر کسی پہلے والے موجد کے مقرر کردہ پیمانہ کے جس کی اُس نے پابندی کی ہو (۱۶)

اور اُس نے ہمارے لیے اپنے اقتدار کے قلمرو اور اُن عجائب سے جن کا اس کی قدرت کے آثار اعلان کر رہے ہیں اور مخلوقات کے اعتراف سے کہ وہ اُس کی قدرت کی روک تھام کے محتاج ہیں (۱۷)

وہ دلائل نمایاں کر دیئے ہیں جو حجت تمام ہونے کی مجبوری کی بنا پر زبردستی ہمیں اُس کی معرفت تک پہنچا ہی کر چھوڑتے ہیں اور اُن ایجادات میں جنھیں اُس نے پیدا کیا ہے اُس کی صنعت کی نشانیاں اور اُس کی حکمت کی علامتیں اس طرح نمایاں ہیں کہ اُس کی ہر مخلوق اُس کی ایک حجت اور اُس کے وجود کی ایک دلیل بن گئی ہے اور

---

(۱۶) مطلق احتیاج شانِ واجب کے خلاف ہے پھر نمونہ اور پیمانہ کی احتیاج تو قصورِ علم کا بھی ثبوت ہے اور علم خدا عین ذات ہے جس میں جہل کا شائبہ بھی متصور نہیں۔ اس طرح نمونہ و پیمانہ کا مطالبہ علم و قدرت دونوں ذاتی صفتوں کے خلاف ہے پھر باری تعالیٰ تو اول حقیقی ہے اُس کے پہلے کسی دوسرے موجد کا ہونا ہی کہاں ممکن ہے؟

(۱۷) جس طرح حدوث کائنات محتاج سبب ہے اسی طرح بقا ہے کائنات بھی اور یہی بقا کے سامان کا اُس کی طرف سے ہونا ہی وہ ہے جس کی بنا پر اسلام نے

چاہے وہ بے زبان مخلوق ہو مگر خداوندی انتظام پر استدلال پیش کرنے میں وہ گویائی کی مالک ہے۔ (۱۸)

اور اُس کی رہنمائی اپنے موجد کی طرف نمایاں ہے۔ (خداوندا) میں گواہی دیتا ہوں کہ جس نے تجھے تیرے مخلوق کے الگ الگ اعضا اور تیری حکمت کی تدبیر سے گوشت و پوست کے اندر پوشیدہ اُن کے جوڑ بندوں کی ہڈیوں کے باہم اتصال کو دیکھ کر تجھے بھی اُن کے مشابہ سمجھا۔ (۱۹) اُس نے اپنے ضمیر کے تحت الشعور کو تیری معرفت سے وابستہ نہیں کیا ہے (۲۰)۔

اور اُس کے دل کو اس یقین کا حس و مس بھی نہیں کہ تیرا

(نوٹ بقیہ صفحہ ۳۳) اُس کا ساتب لکھ کر تعارف کرایا ہے۔

(۱۸) جو گویائی کا نتیجہ ہے یعنی کسی حقیقت کا اظہار وہ اُس میں پورے طور پر موجود ہے۔

(۱۹) یہ اس نفسیاتی تجزیہ کی طرف اشارہ ہے کہ عقیدۂ تجسیم و تشبیہ درحقیقت بر بنائے قیاس پیدا ہوا ہے مگر قیاس ایک تو خود ہی بے بنیاد چیز ہے اور پھر وہ بھی قیاس مع الفارق اس لیے کہ کجا ممکن اور کجا واجب! کہاں مخلوق اور کہاں خالق!

(۲۰) معرفت اشیاء خاص کے ادراک سے وابستہ ہے اور جب ممکنات سے واجب کا امتیاز ہی محسوس نہیں کیا بلکہ اُس کو اُن ناقص چیزوں کے مثل مانا تو اُس کی ادنیٰ معرفت بھی کہاں حاصل ہوئی۔

کوئی مثل نہیں ہے اور گویا اُس نے پیشواؤں سے پیرودں کے تبرا کو (۲۱) تماشا ہی نہیں جبکہ وہ کہتے ہوں گے "بخدا ہم کھُلی ہوئی گمراہی میں تھے ~~جنھیں~~ جب تمہیں پروردگار عالمیاں کے برابر قرار دیتے تھے"۔

بیشک تیرا مثل قرار دینے والوں نے بالکل غلط تصور کیا جب تجھے اپنے بتوں کے قالب میں سمجھا۔ (۲۲)

اور اپنے توہمات سے تجھے مخلوق کے شکل و شمائل دے دیئے اور اپنے تصورات سے اجسام کی طرح تیرے بھی اجزا قرار دیے (۲۳) اور تجھے اپنے طبعی رجحانات سے اس مخلوق کی صورت

---

(۲۱) قرآن مجید میں دونوں طرح کے تبرا کا ذکر ہے پیشواؤں کا تبرا پیرودں سے جیسا کہ ارشاد ہوا اذ تبرأ الذین اتبعوا من الذین اتبعوا ورأوا العذاب وتقطعت بهم الاسباب اور پیروں دوسری طرف سے بھی تمنائے تبرا کا ذکر ہے جو خود ایک قسم کا تبرا ہے:۔ وقال الذین اتبعوا لو ان لنا کرۃ فنتبرأ منهم کما تبرؤا منا اور ایک جگہ مقام تبرا میں یہ الفاظ ہیں جن کا اقتباس امیرالمومنین نے درج فرمایا ہے۔ لقد کنا فی ضلال مبین اذ نسویکم برب العالمین۔

(۲۲) یہ مشرکین کی وہ جماعت ہے جو اصنام کی پرستش کرتی ہے۔

(۲۳) یہ مجسمہ ہیں جن کے بعض فرقوں نے دعویدار اسلام ہوتے ہوئے بھی خدا کو انسانی شکل و شمائل کا حامل سمجھا۔

(۲۴) یہ الفاظ مجسمہ کے علاوہ اُس جماعت کو بھی شامل ہیں جو خدا کے لیے ذات کے علاوہ صفات قرار دیتی ہے جیسا کہ قبل والے ایک خطبہ

میں فرض کیا جس میں مختلف طاقتیں ہوتی ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ جس نے تجھے تیری کسی مخلوق کے برابر قرار دیا اس نے تیرا ایک مثل قرار دیا اور تیرا مثل قرار دینے والا ان تمام باتوں کا منکر ہے جنھیں سے کر تیری واضح آیتیں اتری ہیں اور جن کا تیرے روشن دلائل کی گواہیاں صاف صاف اظہار کر رہی ہیں اور یقیناً تو ہے وہ اللہ جو عقلوں کے حدود میں مقید نہیں تاکہ ان کے تفکرات کی آماجگاہ میں کیفیات کا حامل بن جائے۔ (۲۵) اور نہ ان کے ذہنی تصورات میں گرفتار ہے تاکہ ان کے مقررہ حدود میں گھرا ہوا اور ان کی گردشوں کا پابند بن جائے (۲۶)

اسی خطبہ میں ہے :۔ اس نے جو پیدا کیا اس کے پیمانے مقرر کیے تو وہ ہر طرف زدی سے بھی مقرر کیے۔ (۲۷)

(نوٹ بقیہ صفحہ ۳۵)
میں حضرت امیرؑ نے فرمایا من وصفہ فقد ثناہ ومن ثناہ فقد جزاہ
(۲۵) یعنی عام طور پر عقلوں کی دسترس نقائص ہی کی سرحد تک ہے۔ خالق کی کنہ حقیقت اگر عقل میں محدود بن جائے تو وہ بھی نقائص وکیفیات کا حامل ہو جائے۔
(۲۶) اس سے سوفسطائیوں کی رد ہوتی ہے جو حقیقت کو تابع تصورات مانتے ہیں۔
(۲۷) جو نقائص ذات ممکن اور اس ممکن کے درجہ طبیعی سے متعلق ہیں وہ

اور اُس کی تدبیر کی تو انتہائی باریک بینی سے تدبیر کی اور ہر شے کو اُس کی منزل کی طرف رہ سپار بنایا۔ (۲۸)

تو وہ پھر اپنی اُس منزل کے حدود سے نہ آگے بڑھی اور نہ اُس انتہا تک پہنچنے سے قبل ہی ٹھہر سکی۔ (۲۹)

اور نہ جب اُسے ارادۂ الٰہی کے مطابق چلنے پر مامور کیا گیا تو اُس نے نافرمانی سے کام لیا۔ اور یہ ہو ہی کیونکر سکتا تھا جبکہ تمام کائنات کا وجود صرف اُس کے ارادہ کی بدولت ہے۔ وہ

(نوٹ بقیہ صفحہ ۳۶) تو خود اُس مخلوق کے ساتھ ساتھ ہیں۔ مگر رہی سے مری اتنے کا مطلب نظام عالم کے لحاظ سے اُس شے کا تناسب جس کا ہونا تنظیم مطلق کیلئے ضروری ہے۔

(۲۸) ہر شے کی تخلیق کامل کے لحاظ سے جو منازل ارتقائی مقرر ہیں مثلاً تخم کی منزل سے شجر بار آور و سایہ دار تک اور نطفہ کے درجہ سے حیوان کی منزل شباب تک سب بارادۂ الٰہی طے ہوتے ہیں۔ یہی ہدایت تکوینی ہے جو کائنات میں ہمہ گیر ہے جس کے لئے قرآن میں ہے: خلق کل شئ فھدیٰ۔

(۲۹) ہر شے اور اُس کی منزل انتہا سے مراد نوع اور اُس کے حدود بھی ہیں اور فرد اور اُس کے حدود بھی۔ افراد میں بعض جو ناقص محسوس ہوتے ہیں جیسے ساقط شدہ حمل وغیرہ اُن کا نقص باعتبار صفات نوع کے ہے لیکن مجموعی نظام کے لیے اپنی شخصی حد مقصود کے اعتبار سے ممکن ہے اُس کی منزل انتہا یہی ہو یہ اُس وقت ہے جبکہ اُس کا

مختلف طرح کی چیزوں کا وجود میں لانے والا ہے بغیر کسی غور و فکر کے جس کی اُسے ضرورت پڑی ہو اور بغیر کسی اقتضائے طبع کے تقاضے کے جو اُس میں مضمر ہو۔(۳۰)

اور بغیر کسی تجربہ کے جسے اُس نے زمانہ کے حوادث سے حاصل کیا ہو اور بغیر کسی شریک کار کے جس نے اُسے عجیب چیزوں کی ایجاد میں مدد دی ہو۔ اُسی طرح اُس کی تمام مخلوق وجود میں آئی اور اسی نے اُس کے احکام کے سامنے سر اطاعت خم کیا اور اُس کی آواز پر لبیک کہی بلا توقف جس میں ذرا بھی تاخیر اور تردد کی گنجائش نہ تھی۔ چنانچہ اُس نے تمام چیزوں کو ہر طرح کی کجی سے دور بنایا۔ (۳۱) اور اُن کی حدیں مقرر کیں اور اپنی قدرت سے اُن میں کی

(نوٹ بقیہ صفحہ ۴۷ ناقص رہنا کسی انسان کی اختیاری بے اعتدالی اور ظلم و تعدی کا نتیجہ نہ ہو۔

(۳۰) وہ فاعل مختار اور علیم و حکیم ہے۔ اُس کے افعال بتقاضائے ارادہ مبنی برحکمت ہوتے ہیں نہ کہ بتقاضائے طبیعت۔

(۳۱) نظام اکمل کا ایک جز ہونے کے اعتبار سے ہر شے کجی اور نقص سے قطعاً دور ہے۔ اس کا بالتفصیل جاننا ہمارے امکان سے خارج ہے کیونکہ ہم پورے نظام اور اُس کے مقتضیات پر حاوی نہیں ہیں۔ لیکن حکمت کاملۂ ربانی پر کلی طور سے [illegible] حاصل ہو گیا تو اُس کا حتمی نتیجہ

باہم تضاد رکھنے والی چیزوں میں میل پیدا کیا۔ (۳۲)
اور جسم و جان کے روابط میں اتصال قائم کیا۔ (۳۳)
اور اُنھیں گوناگوں نوعیتوں میں تقسیم کیا جو حدوں، مقداروں طبیعتوں اور شکلوں میں مختلف ہیں، یہ سب پہلے پہل (۳۴) بنائی ہوئی مخلوقات تھی جس میں اُس نے ایسی بے عیب صناعی صرف کی اور اپنے ارادہ کے مطابق اُنھیں پیدا کیا اور نیستی سے ہستی میں لایا۔ (۳۵)

اسی خطبہ کا یہ جزء ہے: وہ ہر پوشیدہ بات کا جاننے والا ہے۔ (۳۶) جیسے تصور کرنے والوں کے دماغی تصورات، چپکے چپکے آپس میں باتیں کرنے والوں کی خفیہ سرگوشیاں، توہمات و

(نوٹ بقیہ صفحہ ۳۸)
یہ ماننا پڑے گا کہ اُس کے مخلوقات یقیناً ہر کجی سے دور ہیں۔
(۳۲) یہ وہ عناصر ہیں جن سے جمادات و نباتات و حیوانات کی ترکیب ہوتی ہے
(۳۳) جسم اور جان باعتبار خصوصیات متضاد چیزیں ہیں اور ان میں اتصال ہی سے حیات عنصری پیدا ہوتی ہے۔
(۳۴) یعنی بلا نمونہ اور بلا تجربہ و مشق۔
(۳۵) یعنی اُس کی تخلیق صورتوں کی تبدیلی میں محدود نہیں ہے جس کے لیے مادہ کا وجود پہلے سے ضروری ہو بلکہ وہ کتم عدم سے چیز وجود میں لاتا ہے۔

خیالات کی گردشیں، دزدیدہ نگاہوں کی جنبشیں، دلوں کے اندر کے بھید، غیب کی گہرائیوں میں کی باتیں، چوری چھپے کان لگا کر سُنی جانے والی گفتگوئیں، چیونٹیوں کے گرمی سے بچنے اور کیڑے مکوڑوں کی جاڑوں میں رہنے کی جگہیں، غم زدہ عورتوں کی نکلنے والی آوازِ گریہ کی لرزش، پیروں کی چاپ، کلیوں کے غلاف کے اندرونی حصہ کے اندر پھلوں کے پھلنے کی گنجائش، پہاڑوں کے غاروں اور وادیوں میں وحشی جانوروں کے گوشہ گیر ہونے کی جگہیں، درختوں کی جڑوں اور چھالوں میں مچھروں کے چھپنے کے مقامات، شاخوں کے اندر سے پتوں کے نکلنے کی راہیں، مردوں کی پشت کے پیچیدہ راستوں میں نطفوں کی روشیں، بلند ہونے والے ابر اور

(نوٹ بقیہ صفحہ ۳۹)

اور اس معنی سے وہ خود مادہ کا بھی خالق ہے۔

(۳۶) مبتدی دماغوں کی تربیت کے لیے جزئیات کے بیان کی بڑی ضرورت ہے۔ اسے تین چار برس کے بچہ کی اُس حالت سے سمجھا جا سکتا ہے جب اُس سے کوئی کلی حقیقت بیان کی جائے مثلاً یہ کہ گھر کی چیزیں سب اُس کے ابا کی ملکیت ہیں۔ اب وہ پوچھنا شروع کر دے گا کہ اور یہ تخت؟ اور وہ پلنگ؟ اور وہ چوکی؟ اور وہ کرسی؟ اور وہ لوٹا؟ اور وہ گھڑا؟ ہر ایک کے جواب میں یہی کہا جاتا رہے کہ ہاں یہ بھی تمھارے ابا کا ہے وہ بھی۔

اُن کی تہ بتہ ترکیبیں، ان ابر کی تہوں میں قطرات باراں کی ریزشیں، بگولوں کے دامنوں میں لپٹ کر اُٹھنے والے ذرے، بارشوں یا سیلابوں سے مٹ جانے والے نقشے اور ریت کے ٹیلوں میں اُگنے والی گھاس کی ریشہ دوانی، پہاڑوں کی اونچی چوٹیوں پر پرند جانوروں کے آشیانے، گھونسلوں کی تاریک فضاؤں میں بولنے والے طائروں کے چہچہے، وہ کہ جسے سینت رکھیں سیپیاں اور جس کی پرورش کریں، سمندروں کی موجیں، وہ کہ جس پر پردہ ڈالے رات کی تاریکی یا روشنی ڈالے دن کا آفتاب۔ ہر وہ چیز کہ جس پر یکے بعد دیگرے

(نوٹ بقیہ صفحہ ۴۰) آخر میں وہ مطمئن ہو گا اور گویا اب سمجھے گا کہ بیشک سب ہمارے ابا کا ہے۔ لیکن شروع میں جو اُس سے (بطور کلیہ) کہا گیا تھا کہ سب تمھارے ابا کا ہے تو وہ اُسے نہیں سمجھا تھا۔ عوامی ذہن درحقیقت بچہ ہی کا ذہن ہوتا ہے۔ اس نکتہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت علی بن ابیطالبؑ نے علم الٰہی کی وسعت کے اظہار کے لیے جزئیات کا تذکرہ فرمایا ہے اور ان جزئیات کو اتنے بسط و تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ سننے والے عوام کے طفلانہ دماغوں کو آخر میں اس سوال کی گنجائش نہ رہے کہ اور یہ؟ جن باتوں کا یہاں ذکر کیا گیا ہے اُن سے مخفی کون چیز رہ ہو سکتی ہے جس کے لیے یہ دریافت کرنے کا محل ہو کہ اللہ کو اس کا بھی علم ہے یا نہیں؟

بڑھتی رہتی ہیں تاریکی شب کی تہیں اور نور کی چادریں، ہر لب کی جنبش، ہر متنفس کی قرار گاہ۔(۳۷)

ہر ذرہ کا وزن، ہر ارادہ کرنے والے نفس کے وکوسے اور جو کچھ زمین پر ہے کسی درخت سے گرا ہوا پھل، ٹوٹا ہوا پتہ، قرار یافتہ نطفہ، خون کا تھکا، گوشت کا لوتھڑا، یا پیدا شدہ بچہ، اور انسانی نسل، ان سب کا اُس کو علم ہے۔(۳۸)

جس میں اُسے نہ کچھ زحمت اُٹھانا پڑتی، نہ جو کچھ مخلوق اُس نے پیدا کی ہے اُس کی نگہداشت میں اُسے کوئی مجبوری پیش آتی اور نہ اُسے اپنے احکام کے اجراء اور مخلوقات کے انتظام میں کوئی تھکن یا کمزوری پیدا ہوتی ہے بلکہ اُس کا علم اُن میں اترا ہوا اُس کی گنتی اُن پر حاوی، اُس کا انصاف اُن کا پورا پورا جائزہ لیے ہوئے اور اُس کا احسان اُن سب پر چھایا ہوا ہے حالانکہ وہ

(نوٹ بقیہ صفحہ ۴۲)

(۳۷) بیان جزئیات میں ایسا فطری انداز اختیار کیا گیا ہے کہ جیسے متکلم کو جو یاد آتا جاتا ہے بلا کسی ترتیب کے وہ شمار کیے جا رہا ہے۔ جس کے نظم و سیاق میں کوئی مصنوعی کاریگری اور غور و فکر صرف نہیں کی گئی ہے۔

(۳۸) فلاسفہ نے اور اُن کا اتباع کرتے ہوئے بہت سے مسلمانوں نے سمجھ لیا ہے کہ خداوند عالم کو کلیات کا علم ہوتا ہے مگر جزئیات کا نہیں

اُس کی شان کے لائق اوصاف کی حقیقت سمجھنے سے عاجز ہیں۔

(نوٹ بقیہ صفحہ ۴۲) اس لیے کہ وہ متغیر ہیں مگر یہ درست نہیں ہے، معلومات کے تغیر یا حدوث سے علم اور عالم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ تجدد و حدوث معلوم میں ہے، علم میں نہیں ہے۔ خالق کی ذات کامل ہے اور اُس کا کمال کسی قسم کے جہل کا متحمل نہیں ہے۔ خواہ وہ کلیات سے متعلق ہو اور خواہ جزئیات سے۔ اس لیے حق یہ ہے کہ اُس کا علم محیط ہے۔ کلیات اور جزئیات سب اس میں داخل ہیں اور اسی حقیقت کے ذہن نشین کرنے کے لیے امیر المومنینؑ نے اس بسط و تفصیل کے ساتھ چھوٹے سے چھوٹے جزئیات کا تذکرہ فرمایا ہے۔

(۱۰)

(۱) سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو خلائق کے سامنے خلائق [illegible]
کے ذریعہ سے جلوہ نما ہے اور اُن کے دلوں پر اپنے دلائل کے
ساتھ نمایاں ہے۔ اُس نے مخلوق کو پیدا کیا بغیر کسی غور و فکر کے
اس لیے کہ غور و فکر ان ہی کے مناسب حال ہے جو قلب و ضمیر
رکھتے ہوں اور اللہ قلب و ضمیر سے بری ہے۔ (۲)

اس کا علم پردوں کے اندر چھپی ہوئی چیزوں میں نفوذ کیے
ہوئے ہے اور وہ دلی نگاہ سے پختہ عقیدوں کی گہرائیوں پر چھایا ہوا ہے

---

(۱) نہج البلاغہ طبع مصر ج ۱ ص ۲۲۳

(۲) قلب و ضمیر جسمانی اعضاء و قویٰ میں داخل ہیں۔ اور اللہ جسم و جسمانیات سے بری ہے

(۱۱)

(۱) سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو اپنے مخلوقات سے اپنی ہستی کا اور اپنے مخلوقات کے نیست کے بعد ہست ہونے سے اپنے ہمیشہ سے ہونے کا اور ان کے باہم ملتے جلتے ہونے سے اپنے بے مثال ہونے کا پتہ دیتا ہے (۲)

احساسات اُسے چھوتے نہیں اور پردے اُسے چھپاتے نہیں اس لیے کہ بنانے والے اور بنائے جانے والے، حدوں میں گھرنے والے، تربیت کرنے والے اور تربیت پانے والے میں بہرصورت فرق ہے (۳)

وہ ایک ہے مگر گنتی کے اعتبار سے نہیں، پیدا کرنے والا ہے

---

(۱) نہج البلاغہ طبع مصر ج ۱ ص ۲۹۳

(۲) اصل وجود مخلوقات کا وجود خالق کا پتہ دیتا ہے اور مخلوقات کے نقائص بمقتضائے قاعدہ قضا دخالق کے کمال کی سراغ رسانی کرتے ہیں۔ چونکہ مخلوق کے احتیاج وابستگی ان کا حدوث ہے لہٰذا خالق کو قدیم ماننا لازم ہے اور ان کا باہمی تشابہ کثرت کا آئینہ بردار ہے جو اپنے مبداء اصلی میں وحدت کا طلبگار ہے اور وحدت بے مثالی کی ضامن ہے۔

(۳) یہ فرق دونوں باتوں کی دلیل ہے۔ اس کی بھی کہ اُسے چھوتے نہیں، اس لیے کہ اگر احساسات میں وہ مقید ہو جائے تو خالق و مخلوق، حاد و محدود اور رب و مربوب میں فرق ہی نہ رہے اور اس کی بھی کہ پردے اُسے چھپاتے نہیں

مگر حرکت اور زحمت و مشقت کے ساتھ نہیں۔ سننے والا ہے مگر آلۂ سماعت سے نہیں اور دیکھنے والا ہے مگر آلۂ بصارت کے ذریعے سے نہیں۔ پاس ہے مگر جسمانی اتصال کے طور پر نہیں اور جدا ہے مگر مسافت کی دوری کے لحاظ سے نہیں۔ نمایاں ہے مگر دکھائی دے کر نہیں۔ اور پوشیدہ ہے مگر جسم کی باریکی کے باعث نہیں (۴۸)

(وہ تمام چیزوں سے ممتاز ہے اُن پر دباؤ اور قابو رکھنے کے ساتھ اور تمام چیزیں اُس سے الگ ہیں اس کے سامنے جھکنے اور اُس کی طرف پھر پھر کر رجوع ہونے کے ساتھ۔ جس نے اس کے لئے اوصاف قرار دیے اس نے اُسے محدود بنا دیا اور جس نے اُسے محدود بنایا وہ اُسے دوسری چیزوں کے شمار میں لے آیا اور جو اُسے دوسری چیزوں کے شمار میں لایا اُس نے اُس کے ہمیشہ سے ہونے کا انکار

(نوٹ بقیہ صفحہ ۴۵) کیونکہ یہ فرق ہی اُس کے کمال کو نمایاں کرنے کا ذریعہ ہے کہ جو نقائص اس مخلوق و محدود و مربوب میں ہیں۔ اُن سے وہ بری ہے۔

(۴۸) خداوند عالم کے لیے اوصاف کے استعمال میں سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ الفاظ وضع ہوتے ہیں ممکنات کے لحاظ سے جو نقائص میں ڈوبے ہوئے ہیں اور ذات واجب ان تمام نقائص سے بری ہے اس لیے اس کے کمال ذات کے اظہار کے لیے الفاظ ساتھ نہیں دیتے۔ اس کا حل محمد و آل محمد نے یہ بتایا ہے کہ الفاظ کا استعمال جب کرو تو عقلی تصرف کے ساتھ کہ کمال کا پہلو لے لو اور

کردیا۔ (۵)

(۵) اور جس نے کہا وہ کیسا ہے۔ اُس نے اُس کے لیے اوصاف تجویز کر لیے اور جس نے کہا کہاں ہے اُس نے مکان و حیز میں اُسے مقید سمجھ لیا۔ وہ عالم تھا اس وقت بھی جب کوئی معلوم ہونے کی چیز نہ تھی۔ اور پروردگار تھا جب کہ کوئی پرورش پانے والی چیز نہ تھی اور قادر تھا جب کہ کوئی متعلق قدرت شے موجود نہ تھی۔ (۶)

(نوٹ بقیہ صفحہ ۴۶) نقص کے پہلو کو نظر انداز کرو۔ اس طرح ہر تحمید میں تنزیہ کا پہلو مدنظر رکھنا ضروری ہے اور اسی کی تشریح امیر المومنین نے ان فقرات میں فرمائی ہے

(۵) محالات اور غلط تصورات اکثر لازم و ملزوم ہوتے ہیں۔ جو ایک غلط بات کو مانتا ہے اُسے نتیجہ میں اور بہت سی غلط باتوں کو ماننا پڑتا ہے۔ یوں ہی ذات الٰہی کے علاوہ اُس کے صفات ماننے سے اُس کی بے مثالی ختم ہو جاتی ہے اور اس سے اُس کی ازلیت اور وجوب سب کا انکار لازم ہوتا ہے اس کی تشریح نہج البلاغہ کے سب سے پہلے خطبہ کے ذیل میں ہو چکی ہے۔

(۶) یعنی کمال ذات اضافات و تعلقات کی بنا پر نہیں ہے بلکہ خود مقام ذات میں ہے۔ اضافات تو اس کا ایک نتیجہ ہیں بعین کمال نہیں ہیں۔

(۱۳)

(۱) اُس کے احکام بالکل فیصلہ کن اور حکمت ریز اور اُس کی خوشنودی سراسر امن و امان اور رحمت آمیز ہے۔ فیصلے اُس کے بربنائے علم ہوتے ہیں اور معافی بربنائے حلم (۲)

پروردگارا تیرے لیے حمد ہے تیرے لینے پر بھی اور دینے پر بھی۔ تیری طرف کی صحت پر بھی اور تیری جانب کی بیماری پر بھی (۳)

وہ حمد جو تجھے انتہائی پسند، انتہائی محبوب اور حمد کی تمام قسموں میں تیرے نزدیک سب سے بہتر ہو۔ وہ حمد جو تیرے تمام مخلوقات کو اپنی وسعت سے لبریز کردے اور تیرے ارادہ کے معیار پر پوری اُترے۔ وہ حمد جو تیرے پاس پہنچنے سے رک نہ سکے اور تیری بارگاہ تک رسائی سے قاصر نہ ہو۔ وہ حمد جس کا سلسلہ ختم

---

(۱) نہج البلاغہ ط مصر ص۳۰۹

(۲) مجرم کو سزا دینے اور نافرمان پر عذاب نازل کرنے پر کامل قدرت رکھنے کے باوجود جذبۂ انتقام سے بری رہنا ہی حلم ہے۔ اُس کا شدید قسم کے بداعمال اور بدکیش افراد کو سزا دینا صرف لاقانونی کے سدباب کے لیے بربنائے ضرورت ہے۔ ورنہ اُسے سزا دے کر کوئی دل کی بھڑاس نکالنا نہیں ہے۔ یہ حلم اُس کی ذاتی بے نیازی کا تقاضا ہے۔ کوئی الگ صفت نہیں ہے

اور مدتِ تمام نہ ہو۔ ہم تیری عظمت کی اصل حقیقت کو بالکل نہیں جانتے۔ اتنا بے شک جانتے ہیں کہ تو زندہ، قائم اور برقرار ہے۔ تجھے نیند نہیں آتی، نہ غنودگی طاری ہوتی ہے۔ تجھ تک کوئی نگاہ کبھی پہنچی نہیں اور کسی نے تجھے دیکھا نہیں مگر تو تمام نگاہوں پر حاوی اور عمروں کا احاطہ کیے اور مخلوقات کو پوری طرح اپنی گرفت میں لیے ہوئے ہے اور جو تیری مخلوق ہم آنکھ سے دیکھ رہے ہیں اور تیری قدرت کے جن مظاہرات سے ہم حیرت کرتے ہیں اور جس تیرے عظیم اقتدار کے زبانوں پر چرچے آتے ہیں یہی کیا کم ہے اور اس کے بعد جو کچھ ہم سے پوشیدہ ہے، جس سے ہماری نگاہیں قاصر ہیں، ہماری عقلیں اس تک پہنچنے سے پہلے رک جاتی ہیں اور غیب کے پردے ہمارے اور اس کے درمیان حائل ہیں وہ اس سے بھی زیادہ عظیم ہے۔

---

(۳) خداوند عالم کا ہر فعل نظام عالم کی مصلحت کے لیے ہوتا ہے لہذا جو انفرادی ضرر ہے وہ بھی نوعی فائدہ کے لیے ہے اور چونکہ نظام نوعی ہر فرد کو حاوی ہے اس لیے نوع کا فائدہ اس فرد کی طرف بھی راجع ہوتا ہے اسی طرح ہر فعل مورد حمد و شکر ہے خواہ وہ انفرادی طور پر اس کے لیے مفید ہو یا مضر۔

(۱۳)

(۱) سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو تمام بندوں کا پیدا کرنے والا، زمین کا فرش بچھانے والا، ندیوں میں جل تھل کرنے والا اور اونچے اونچے ٹیلوں کو ہرا بھرا بنانے والا ہے۔ اس کے پہلے ہونے کا کوئی سرا نہیں اور اس کے ہمیشہ رہنے کا کوئی آخری کنارا نہیں۔ وہ پہلا ایسا ہے جو کبھی نابود نہ تھا اور وہ ہمیشہ رہنے والا ایسا ہے جس کی کوئی میعاد نہیں۔ پیشانیاں اس کے سامنے جھکتا اور ہونٹ اس کی توحید کا اقرار کرتا ہے (۲)

اس نے تمام اشیاء کو محدود بنا دیا اسی وقت جب انہیں پیدا کیا جس سے ان کی ہستی کا ان کی ذات سے الگ ہونا نمودار ہو گیا (۳)، تصورات اس کا پیمانہ حدود و اور حرکات اور اعضا و جوارح کے امتیازات کے ساتھ نہیں قائم کر سکتے۔ یہ کہنا اس کے لیے

---

(۱) نہج البلاغہ طبع مصر ج ۱ ص ۳۱۹

(۲) خدا پرستوں کو شعوری اور اختیاری طور پر جو ان کے لیے مستوجب ثواب بھی ہے اور دوسروں کو زبانِ تکوین سے اضطراری طور پر جس میں وہ جمادات و نباتات حیوانات کے ساتھ شریک ہیں اس لیے اس اقرار کی ان کے لیے جزا نہیں ہے۔

(۳) اس لیے کہ وہ لامحدود ہے اور خالق اور یہ محدود ہیں اور مخلوق۔

درست نہیں کہ وہ کب وجود میں آیا اور نہ "کب تک" کے ساتھ اس کی انتہا کو بتایا جا سکتا ہے۔ وہ آشکارا ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کس میں سے۔(۴) اور پوشیدہ ہے مگر یہ کہنا نہیں ممکن کہ کا ہے میں۔ نہ وہ کوئی پرچھائیں ہے جو گزر جائے، نہ کسی پردہ میں گھرا ہوا ہے جو محدود ہو جائے۔ نہ وہ چیزوں سے قریب ہے اتصال کے ساتھ اور نہ دور ہے جدائی کے لحاظ سے۔(۵)

اس پر اپنے بندوں کی کوئی بات چھپی نہیں، نہ کسی آنکھ کی جنبش، نہ زبان کی گردش، نہ کسی [illegible] سے جھانکنا، نہ [illegible] میں کسی قدم کا بڑھنا [illegible] نہ کوئی سناٹا جس [illegible] اندھیارا نہ اپنی پرچھائیں ڈالے اور [illegible] عقب میں سورج آ کر اپنے طلوع و غروب کا جلوہ دکھائے اور نہ زمانہ کی کوئی گردش اور وقت کا کوئی پلٹا جیسے آتی ہوئی رات کی پیش قدمی اور جاتے ہوئے دن کی

---

(۴) ہر چیز میں ظاہر ہونے کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ کوئی پردہ اس پر پڑا تھا اور وہ اس پردہ میں سے نمودار ہوئی لیکن اللہ کا ظہور اس کے آثار قدرت کی بنا پر ہے نہ کوئی جسمانی پردہ ہے اور نہ پردہ سے کوئی جسمانی ظہور ہے۔

(۵) اس کی کوئی بات بھی جسمانی نہیں ہے کیونکہ وہ جسم و جسمانیات سے بری ہے۔

روگردانی (۶)

وہ ہر وقت و مدت اور ہر میعاد و شمار سے پہلے ہے اور حد بندی کرنے والے جو اُس کے لیے پیمانہ اور وقت اور جسامت اور قیام اور سکونت کے اوصاف منسوب کرتے ہیں، ان سب سے وہ بری ہے اس لیے کہ حدیں تو اُس کے مخلوق ہی کے لیے مقرر اور اُس کے غیر ہی کی طرف منسوب ہو سکتی ہیں، اُس نے مخلوقات کو ایسے بنیادی اجزا سے جو ازلی اور ابدی ہوں پیدا نہیں کیا (۷)

بلکہ جسے پیدا کیا اُس کے حدود خود قائم کیے اور جس کی صورت گری کی وہ بہترین کی۔ کوئی چیز اُس کے اثر کو قبول کرنے سے انکاری نہیں ہو سکتی اور اُسے اُن میں سے کسی سے کچھ فائدہ اُٹھانا نہیں ہے۔ اُس کا علم سابق میں گزر چکنے والوں کے متعلق ویسا ہی ہے جیسا باقی ماندہ جیتے جاگتے اشخاص کے متعلق اور اُسے سب سے اونچے آسمانوں کا ویسا ہی علم ہے جیسا نیچے کی زمینوں کا (۸)

---

(۶) یہ سب علم الٰہی کے جزئیات پر محیط ہونے کو ذہن نشین کرنے والی تفصیلات ہیں جن کی نظیر اس کے پہلے بھی حضرت کے کلام میں گزر چکی ہے۔

(۷) یہ مادہ کے قدیم اور لافانی ہونے کی رد ہے۔

(۸) یعنی زمان اور مکان دونوں میں کسی کا بھی فرق اُس کے علم میں تفریق کا باعث نہیں ہے۔

(۱۴)

(۱) اُسے کوئی مشغلہ محویت پیدا نہیں کرتا، زمانہ کا کوئی دور اس میں تبدیلی کا باعث نہیں ہوتا۔ کوئی جگہ اُس کو حاوی نہیں ہوتی اور کوئی زبان اس کی ثنا و صفت کا حق ادا نہیں کر سکتی۔ اُس سے پانی کے قطروں کی تعداد، آسمان کے تاروں کی گنتی، ہوا کے جھونکوں کا شمار، پتھر پہ چونٹیوں کے رینگنے کی کیفیت اور شب تاریک میں چونٹیوں کے قیام کی جگہ کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ پتوں کے گرنے کی جگہوں کو جانتا اور حلقہ ہائے چشم کے اندر سے نگاہوں کی مخفی گردشوں سے واقف ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سوا اللہ کے کوئی معبود برحق نہیں۔ نہ کوئی اُس کا مدمقابل ہے نہ اس میں کسی شک کی گنجائش ہے۔ نہ اُس کے دین کا انکار ممکن ہے نہ اُس کی تخلیق کو ٹھکرایا جا سکتا ہے۔ یہ گواہی ایسے شخص کی ہے جس کی نیت سچی، باطن صاف، یقین خالص اور اعمال وزنی ہیں۔ (۲)

---

(۱) نہج البلاغہ طامصرج ۱ صـ۳۵۲

(۲) یعنی یہ گواہی خود ہی صحیح معنی میں اعمال کے وزنی بنا دینے کی ضامن ہے۔

(۱۵)

(۱) ذعلب یمنی نے حضرت سے سوال کیا کہ کیا آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟ فرمایا "تو پھر کیا اُس کی عبادت کرتا ہوں جسے دیکھتا نہیں۔ (۲)

انھوں نے کہا "آپ اُسے دیکھتے کیونکر ہیں؟" فرمایا۔

"آنکھیں نظروں کے مشاہدہ سے اُسے نہیں دیکھا کرتیں بلکہ

---

(۱) نہج البلاغہ طامصر ج ا ص۳۵۵

(۲) چونکہ سائل ہنگام سوال اس ذہنیت کا حامل تھا کہ عبادت کے لیے یقین کی ضرورت ہے اور یقین کا درجہ رویت میں منحصر ہے۔ اس میں پہلا جز صحیح ہے اور دوسرا غلط ہے لیکن اپنے سوال میں وہ اپنے ذہنی پس منظر کے اجزا کے متعلق کوئی سوال نہیں کرتا یعنی نہ یہ پوچھتا ہے کہ کیا عبادت کے لیے یقین کی ضرورت ہے۔ جس کا جواب بلا دغدغہ اقرار ہوتا اور نہ یہ کہ کیا یقین رویت میں منحصر ہے جس کا جواب انکار ہوتا۔ اُس نے اس سب کو ذہن میں رکھتے ہوئے صرف رویت کے ثبوت و نفی کے بارے میں سوال کیا کہ آپ کو معبود کی رویت ہوئی یا نہیں۔ اب اگر اس سوال کے بارے میں جواب میں سیدھا سادہ انکار کر دیا جاتا تو وہ آگے شاید کچھ نہ پوچھتا بس اپنی جگہ یہ طے کر لیتا کہ پھر اُس کا یقین نہیں اور جب یقین نہیں تو عبادت لاحاصل ہے۔ اور یا سوال کرتا اور پھر اس کی رد کر دی جاتی۔ اس میں پہلی صورت تو بڑی خطرناک تھی کیونکہ وہ گمراہی میں راسخ ہو نیا تھا اور

دل ایمان کی حقیقتوں کی روشنی میں اُسے جلوہ گر پاتے ہیں۔ وہ تمام چیزوں سے قریب ہے مگر چھوتا ہوا نہیں اور دور ہے مگر فاصلہ کے ساتھ نہیں۔ وہ کلام کرنے والا ہے مگر غور و فکر کے ساتھ نہیں اور ارادہ کرنے والا ہے مگر دل کے جوش و ولولہ کی کیفیت سے نہیں۔ وہ کارگزار ہے بغیر اعضاء و جوارح کے اور

(نوٹ بقیہ صفحہ ۵۴) دوسری صورت پر طوالت تھی اس لیے آپ نے یہ حکیمانہ طرز اختیار فرمایا کہ پہلے اس کا جواب اُس کی توقع کے بالکل خلاف اقرار کی صورت میں دیا جس سے وہ ایک دم چونک کر کچھ آگے معلوم کرنے کے لیے بے چین ہو جائے اور پھر اصل حقیقت کا اظہار فرمایا جس میں اس کی بنیادی غلطی کا پردہ چاک کر دیا کہ اصل ضرورت یقین کی ہے اور یقین کے کے لیے رویت بصری کی احتیاج نہیں ہے بلکہ شعور بصیرتی کافی ہے۔ اس ذیل میں ایک نکتہ دقیق توجہ ہے کہ اُس نے سوال بصیغۂ ماضی کیا تھا کہ هل رأیت ربک اس لیے کہ وہ رویت کو یعنی رویت بصری سمجھ رہا تھا جو وقتی و ہنگامی عمل ہے اور آپ نے جواب میں رویت کا اقرار کرتے ہوئے ماضی کو مضارع سے بدل دیا جو استمرار کا پتہ دیتا ہے یعنی یہ نہیں کہا کہ افاعبد ما لم اره "کیا اس کی عبادت کرتا ہوں جسے دیکھا نہیں" بلکہ فرمایا افاعبد ما لا اری "کیا اُس کی عبادت کرتا ہوں جسے دیکھتا نہیں" یہ "دیکھنا" نہیں ہے جو کسی وقت خاص پر کبھی ہوا ہو بلکہ یہ ایک صفت قائم مستمر ہے جو ہر وقت بہر حال اور ہر عبادت کے موقع پر حاصل ہے اور وہ

صاف و شفاف ہے مگر باریکی کے انداز میں نہیں۔ ~~بڑا ہے~~ مگر گراں بار تن و توش کے ساتھ نہیں۔ دیکھنے والا ہے مگر قوائے حاسہ کے ساتھ نہیں اور بڑا ہی ترس کھانے والا اور مہربان ہے مگر رقت قلب کے ساتھ نہیں۔ (۳)

چہرے اُس کی عظمت کے سامنے افتادہ اور دل اُس کے خوف سے لرزاں ہیں۔

(نوٹ بقیہ صفحہ ۵۵) کمال یقین کے سوا کچھ نہیں ہے۔

(۳) یہاں ان چیزوں کا تذکرہ اس مقصد سے ہے کہ اللہ کے لیے تمام الفاظ جن کی نسبت دی جاتی ہے وہ اسی طرح کہ ان کے نتائج لے لیے جاتے ہیں اور ذرائع ترک کر دیئے جاتے ہیں مثلاً خود اللہ بصیر ہے تو کیا آنکھوں سے دیکھتا ہے؟ نہیں بلکہ بصر کا نتیجہ جو ہے یعنی علم وہ اُس کی ذات کے لیے ثابت ہے کیونکہ کمال ہے اور ذریعہ یعنی آنکھوں کی احتیاج مفقود ہے کیونکہ نقص ہے پھر جس طرح اُسے کہتے ہیں کہ وہ دیکھتا ہے مگر آنکھوں کے ذریعہ سے نہیں اسی طرح ہم کہیں کہ ہم اُسے دیکھتے ہیں تو یہاں بھی دیکھنے کا نتیجہ لو یعنی کمال یقین۔ وہ حق ہے اور ذریعہ چھوڑ دو یعنی مشاہدہ جسمانی کہ وہ باطل ہے۔

(۱۶)

(۱) سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس کی طرف تمام خلق کی بازگشت اور تمام چیزوں کی رجوع ہے۔ ہم اُس کی ستائش کرتے ہیں اُس کے بڑے اچھے سلوک، اُس کے روشن دلائل، اُس کی بڑھتی چڑھتی بخشش و عطا اور منّت و احسان پر۔ ایسی تعریف جو اُس کے حق کی ادائی، اُس کے شکر کی بجا آوری اور اُس کے ثواب سے قریب کرنے کا ذریعہ اور اُس کی نعمت کی فراوانی کا سبب ہو۔ اور اُس سے ہم مدد کے ملتجی ہیں ایسے شخص کی التجا جو اُس کے فضل و کرم کا اُمیدوار، اُس کی طرف سے فائدہ کا متوقع، اُس کی جانب سے مصیبت کے دفعیہ پر بھروسا رکھنے والا، اُس کی بخشش و عطا کا مقرّ اور کردار و گفتار میں اُس کے سامنے سرِ تسلیم خم کیے ہوئے ہو۔ اور اُس پر ایمان رکھتے ہیں ایسے شخص والا ایمان جو یقین کے ساتھ اُس سے آس لگائے ہو، ایمان رکھتے ہوئے اُس سے لو لگائے۔ اُس کی وحدت کے اعتقاد پر قائم رہتے ہوئے خلوص سے اُس کی عبادت کرے، اُس کی عظمت کے صحیح احساس سمیت اُس کی بزرگی و عظمت کا اظہار کرتا ہو اور ذوق و شوق اور

---

(۱) نہج البلاغہ ط مصر ج ۱ صـ ۳۵۹

جد وجہد کے ساتھ اُس کی طرف پناہ لینا چاہتا ہو۔ وہ جس کی اولاد
نہیں کہ عزت میں کسی کا حصہ دار ہو (۲)

اور اُس کے کوئی اولاد نہیں کہ وہ اُسے متروکہ کا وارث بنا کر خود از رجائے اور کوئی وقت یا زمانہ اُس کے پہلے نہیں گزرا اور زیادتی اور کمی کا اُس میں گزر نہیں ہوا بلکہ وہ عقلوں کے سامنے نمایاں ہوا بذریعہ نظم و تدبیر اور اٹل فیصلہ تقدیر کی اُن علامتوں سے جو اُس نے ہمیں آنکھوں سے دکھلا دیں۔ (۳)

پاک و مقدس ہے وہ ذات جس سے کوئی چیز چھپی نہیں۔ نہ تاریک رات کی سیاہی اور نہ پُرسکون شب کا سناٹا پست سے پست نشیبی زمینوں میں اور نہ پاس پاس کے اونچے سے اونچے ٹیلوں کی بلندیوں میں۔ نہ وہ گھڑگھڑاہٹ جو اطراف آسمان میں بادل کی گرج میں ہوتی ہے اور نہ وہ جگمگاہٹ جو بجلی کے چمک چمک کر غائب ہونے میں نمودار ہوتی ہے اور نہ وہ کوئی زمین پہ گرا ہوا درخت کا پتہ جسے اُس کے مقام سے ہوا کے جھکڑوں اور

---

(۲) یعنی اُس کی عزت ذاتی ہے کسی دوسرے کی بدولت نہیں۔
(۳) آنکھوں سے علامتیں دکھائیں اور اُن کے ذریعہ سے وہ خود عقل کے سامنے نمایاں ہوا۔ آنکھوں کے سامنے نہیں۔

موسلا دھار بارش نے گرا دیا ہے، وہ قطرۂ باراں کے گرنے اور ٹھہرنے کی جگہ، چیونٹی کے رینگنے اور اناج کو کھینچ کر لے جانے کے مقام، جو ایک مچھر کی غذا کافی ہوسکتی ہے اُس کی مقدار اور جو ایک ماں اپنے پیٹ میں لیے ہوئے ہے اُس کی نوعیت سے باخبر ہے

سب تعریف اللہ کے لیے جو موجود تھا عرش و کرسی، آسمان و زمین اور جن و انس سب کے پہلے۔ وہم و خیال کا اُس پر دسترس نہیں اور عقل و فہم اُسے کسی پیمانہ میں محدود کرنے سے قاصر ہے کوئی سوال کرنے والا اُسے مصروف نہیں بناتا (۴) اور کوئی بخشش و عطا اُس میں کمی نہیں پیدا کرتی۔ وہ آنکھ سے نہیں دیکھتا اور "کہاں" کی قید میں محدود نہیں ہوتا اُس کے ساتھ کوئی چیز نہیں اور وہ پیدا کرنے میں فکر و تدبیر کا محتاج نہیں۔ حواس سے اُس کا ادراک ناممکن۔ اور آدمیوں پر اُس کا قیاس غلط ہے۔

اوصاف کے ذریعہ سے ادراک تو صورت و شکل اور

---

(۴) یعنی اُس کے یہاں یہ نہیں ہوتا کہ ایک سائل کے درد دل کو سُن کر اُس کی دستگیری کی طرف جو توجہ ہوئی تو دوسروں کی طرف التفات کا موقع نہ رہا اور ایک کے حالِ زار پر تاثر میں اتنی محویت ہوئی کہ دوسروں کی فکر نہ رہی۔

اعضاؤ جوارح رکھنے والی چیزوں کا ہوتا ہے اور ایسی چیز کا جو عمر پوری ہونے پر فنا کی رہ گزر پر روانہ ہو جائے اور وہ تو ایسا ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ اُس کی طرف سے ہر تاریکی میں روشنی پیدا ہوئی اور اُس کی ظلمت سے ہر نور میں تاریکی پیدا ہوئی۔

(۱۷)

(۱) سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس کی کنہ حقیقت تک شواہد و نظائر کی رسائی نہیں (۲)

چشم دید مناظر اُس پر حاوی نہیں، آنکھیں اُسے دیکھتی نہیں اور پردے اُسے چھپاتے نہیں (۳)

جو اپنے مخلوقات کے حدوث سے اپنے قدم کا پتہ دیتا اور اُن کے فنا پذیر ہونے سے اپنے لازوال وجود کا اور اُن کی باہمی مشابہت سے اپنے بے مثال ہونے کا ثبوت دیتا ہے (۴)

وہ جو اپنے وعدوں میں سچا اور بندوں پر ظلم کرنے سے بری ہے اُس نے اپنے مخلوقات میں عدالت کے نظام کو قائم کیا اور اُن کے درمیان اپنے فیصلوں میں عدالت سے کام لیا ہے۔ تمام چیزوں کا نیست کے بعد ہست ہونا اُس کے ہمیشہ سے

---

(۱) نہج البلاغہ ج ۱ صـ۲۷۲

(۲) یعنی شاہد اور نظیر پیش کر کے اُس کی کنہ حقیقت کو سمجھایا نہیں جا سکتا۔

(۳) عقل کی آنکھوں سے نہیں چھپاتے۔

(۴) چونکہ یہی نقائص اُنھیں خالق کا محتاج بناتے ہیں تو جو اصل خالق ہو اُسے اُن نقائص سے بری ہونا چاہیے۔

موجود ہونے پر اور تمام چیزوں پر اُس نے جو عاجزی کا تمغہ لگا دیا ہے وہ اُس کی قدرت پر اور انھیں جو فنا ہونے کی مجبوری میں گرفتار کردیا ہے وہ اُس کے لازوال ہونے پر گواہ ہے وہ ایک ہے مگر گنتی کے طور پر نہیں ہمیشہ رہنے والا ہے، مدت کے ساتھ نہیں۔ قائم ہے بغیر کسی سہارے کے اُسے انسانوں کے ذہن قبول کرتے ہیں مگر احساس کے ذریعہ نہیں اور مناظر اُس کے گواہ ہیں مگر عینی مشاہدہ کے ساتھ نہیں عقول انسانی اُس پر حاوی نہیں ہو سکتے بلکہ وہ اُن ہی کی بدولت آشکارا اور اُن ہی کی بنا پر اُن سے پنہاں ہے۔ (۵)

اور اُن ہی سے اُن کے خلاف فیصلہ لیا ہے۔ (۶)

وہ اس طرح کی بڑائی والا نہیں کہ اُس کے اطراف ادھر اُدھر پھیلے ہوئے ہوں جنھوں نے جسامت کے اعتبار سے اُسے بڑا کر دیا اور اُس کی عظمت اس لحاظ سے نہیں ہے کہ اُس کے حدود جسمانی دور تک ہوں جنھوں نے ڈیل ڈول میں اُسے بہت بھاری بھرکم بنا دیا ہو بلکہ وہ شان کے لحاظ سے بڑا اور اقتدار کے اعتبار سے عظیم ہے

---

(۵) عقل ہی نے کائنات کو دیکھ کر اُس کا پتہ دیا ہے اور عقل ہی یہ فیصلہ کرتی ہے کہ اُس کی کنہ حقیقت تک رسائی ممکن نہیں۔

(۶) عقل کو خود ہی معرفت ذات میں اپنی کوتاہی کا احساس ہے۔

(۱۸)

(۱) جس نے اُسے کیفیتوں سے متصف کیا وہ اُس کی وحدت کا قائل ہی نہیں ہوا (۲)

اور جس نے اُسے مثل دوسری چیزوں کے قرار دیا وہ اُس کی حقیقت تک پہنچا نہیں اور جس نے اُسے دوسروں سے مشابہ بنایا اُس نے اُس سے سروکار ہی نہیں رکھا اور جس نے اسے قابل اشارہ سمجھا وہ اُس کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوا (۳)

ہر وہ چیز جو بذات خود پہچانی جا سکے مخلوق ہے (۴)

اور ہر وہ شے جو اپنے علاوہ کسی دوسرے کے اندر قرار

---

(۱) نہج البلاغہ خطبہ ۱۸۴ مصر ج ۲ صفحہ ۳۵
(۲) اس لیے کہ کیفیات سے متصف ہونا خود حدوث کی نشانی ہے اور جو حادث ہو وہ دوسری اشیا کی قطار میں ہے پھر وہ واحد احد کہاں رہا جس کی شان سے یہ ہے کہ لیس کمثلہ شئی

(۳) کیونکہ اُس کی طرف توجہ اشارہ حسی کے ساتھ تو ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ تو اشارہ عقلی کے ساتھ ہوتی ہے اور جب عقل ایسے صفات کا کیا جو اُس کی ذات پر منطبق نہیں تو یہ اشارہ اُس کی طرف نہیں اُس کے غیر کی طرف ہوا۔

(۴) بذات خود پہچانی جانے والی چیز ایک وہ ہوگی جس کا علم حضوری ہو وہ صرف اپنی ذات اور اپنے ادراکات و کیفیات نفسانی ہیں اور دوسری

پکڑتے اپنی ہستی میں اسباب کی محتاج ہے۔ وہ کاموں کا انجام
دینے والا ہے بغیر اعضا و جوارح کی تحریک کے پیمانے مقرر
کرنے والا ہے بغیر فکر کی گردش کے۔ دولت مند ہے بغیر تحصیل کیے
ہوئے۔ زمانہ اُس کے ساتھ ساتھ رہنے والا نہیں (۵)
اور آلات و ذرائع کی مدد اس کے شامل حال نہیں۔ اس کا
وجود اجزائے زمانہ کے پہلے۔ اُس کے ہستی نیستی سے مقدم (۶)
اور اُس کی قدامت آغاز کے تصور سے آگے ہے (۷)
آلاتِ شعور میں شعور کی طاقت اُس نے بخشی ہے۔ اسی سے
پتہ چلا کہ وہ شعور میں آلات کا محتاج نہیں ہے اور چیزوں کے
درمیان ضدیت اُس نے قائم کی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اُس
کی کوئی ضد نہیں اور دوسری چیزوں میں اُس نے وابستگی پیدا

(نوٹ بقیہ صفحہ ۶۳) وہ جس کا احساس کے ساتھ تصور ہو۔ اللہ ہماری ذات
سے جدا ہے اور پھر احساس و مشاہدہ سے خارج اس لیے اُس کا پہچاننا
صرف آثار و دلائل سے بطور استدلال ہوتا ہے۔ بذاتِ خود اُسے پہچانا
نہیں جا سکتا۔

(۵) اس لیے کہ زمانہ فانی ہے اور وہ غیر فانی اور ظاہر ہے کہ فانی غیر فانی
کے ساتھ ساتھ نہیں رہ سکتا۔

(۶) بات یہ ہے کہ نیستی خود تو کوئی امر موجود نہیں اُس طرح تصور اضافت

کی ہے اس سے ثابت ہوا کہ اُس کی ذات سے وابستہ کوئی چیز نہیں ہے
اُس نے روشنی کو اندھیری کی۔ اجالے کو دھندلکے کی، خشکی کو تری
کی اور گرمی کو سردی کی ضد بنایا ہے۔ وہ باہم دشمنی رکھنے والی
چیزوں میں انس و محبت پیدا کرنے والا، جدا جدا چیزوں کو باہم
وابستہ کرنے والا ایک دوسرے کو باہم قریب بنانے والا اور
قریب قریب کی چیزوں کا الگ الگ کرنے والا ہے کسی قسم کے
حدود و قیود سے اسے گھیرا اور کسی گنتی میں اسے لایا نہیں جا سکتا
آلات و ذرائع حد بندی کرتے ہیں تو اپنی ہی ایسی چیزوں کی اور
اشارہ کرتے ہیں اس کا ہمیشہ سے ہونا "سے" مانع ہے۔ (۸)
اور اس کا ازلی ہونا "ہوا ہے" سے روکتا ہے (۹)

(نوٹ بقیہ صفحہ ۶۴) کے ساتھ ہوتا ہے اور اضافتیں سب حادث ہیں چونکہ
ذات الٰہی مقدم ہے۔ اس لیے اُس کا وجود مقدم کہ [illegible] بھی مقدم ہے
(۷) آغاز طرف ابتدا میں شے کی آخری حد ہے اور ذات الٰہی محدود نہیں
اس لیے آغاز کا تصور اُس کی ذات سے متعلق نہیں ہو سکتا۔
(۸) "سے" کا لفظ کسی شے کی ابتدا کو بتاتا ہے لہذا جو ہمیشہ سے ہو اس
کے لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کب سے ہے۔
(۹) "ہوا ہے" ماضی قریب کا صیغہ ہے جس کے لیے عربی میں قد آتا ہے
اور یہ صیغہ ایسے حادث ہی کے لیے استعمال ہو سکتا ہے جو نیست کے بعد

اور اُس کا کمال ذات "اگر مگر" سے بری رہا ہے (۱۰)

اسی کائنات کی بدولت اس کائنات کا خالق عقلوں کے سامنے جلوہ نما ہے اور اُسی کے تقاضا سے وہ آنکھوں کی نگاہ سے اوجھل ہے۔ (۱۱)

سکون اور حرکت کوئی اُس کے لیے ثابت نہیں اور بھلا اس کے لیے ثابت ہی کیونکر ہو سکتی ہے وہ چیز جسے خود اُس نے وجود عطا کیا ہے اور اُس طرف راجع ہی کیونکر ہو سکتی ہے وہ شے جس کا آغاز خود اُسی نے کیا ہے اور اُس میں کیونکر پیدا ہو سکتا ہے وہ

(نوٹ بقیہ صفحہ ٦٥) بست ہوئی ہو۔ اللہ ازلی ہے یعنی نیستی سے بری ہے اس لیے اس کے لیے قدکی لفظ کا استعمال صحیح نہیں ہے۔

(۱۰) جس چیز میں کوئی نقص ہوگا اُس کی جب تعریف کریں تو کہنا پڑے گا کہ اگر یوں نہ ہوتا تو اچھا تھا یا سب اچھائیاں ہیں مگر یہ برائی بھی ہے لیکن خدا کی ذات میں نقص کا کوئی شائبہ نہیں لہذا اگر مگر کی گنجائش نہیں۔

(۱۱) اسی کائنات کے سبب عقلوں کے لیے روشن ہے بطور استدلال اس اعتبار سے کہ اثر مؤثر کا پتہ دیتا ہے اور اسی کا تقاضا یہ ہے کہ آنکھوں سے اوجھل ہو کیونکہ اس کائنات کا امکان جو واجب الوجود کی احتیاج پیدا کرنے والا ہے متقاضی ہے کہ ذات واجب ان نقائص امکانی سے منزہ

دسمبر ۲۲ء۔

جسے اُس نے پیدا کیا ہے۔ اس وقت تو اُس کی ذات میں اختلاف
ہو جائے اور اُس کی کنہ حقیقت کا تجزیہ ہو جائے اور اس کے
معنی یہ ہوں کہ اُس کی ازلیت ختم ہو جائے (۱۲)
اور اُس کے پیچھے بھی کچھ ہو جب کہ اُس کے آگے کوئی چیز ہو گئی (۱۳)
اور وہ تمامیت کا محتاج ہو جب کہ اُس میں نقصان ثابت ہو جائے
اور پھر اُس میں مخلوق کی نشانی نمایاں ہو جائے اور وہ کسی اور کا پتہ
دینے لگے جب کہ اُسی کا پتہ دیا جا رہا تھا (۱۴)
وہ اپنے جلال ذات کی بنا پر اس سے بری ہے کہ اس میں
وہ چیزیں اثر کرنے لگیں جو اُس کے غیر میں اثر انداز ہوتی ہیں۔ وہ
وہ ہے جس کے لیے تغیر و زوال نہیں جس کے چھپتے ہوئے سورج کے
لیے غروب نہیں۔ اُس کے کوئی اولاد نہیں کہ اُس کے لیے بھی

---

(۱۲) مذکورہ بالا تمام جملے بلند پایہ ادبی انداز میں اس کلامی و معقولی حقیقت
کا بیان ہیں کہ وہ محل حوادث نہیں ہے ورنہ خود اُس کی ذات میں تغیر و حدوث
لازم ہوگا۔

(۱۳) یعنی جب وہ ازلی نہ رہا اور حادث ہو گیا تو بالذات ابدی بھی نہ ہو گا بلکہ
فانی ہوگا کیونکہ فنا سے مانع تو واجب الوجود ہونا ہے اور حدوث کے ساتھ امکان
لازمی ہے پھر فنا سے کون امر مانع ہے۔

(۱۴) کائنات تمام خالق کا پتہ اسی لیے تو دیتی ہے کہ وہ حادث ہے اور اسے

کسی کی اولاد ہونے کا سوال پیدا ہو (۱۵)
اور وہ کسی کی اولاد نہیں ورنہ محدود ہو جائے (۱۶)۔
وہ اپنے لیے بیٹے قرار دینے سے بالاتر اور عورتوں کے پاس جانے سے پاک ہے۔

خیالات اُسے پا نہیں سکتے کہ اُس کا کوئی پیمانہ مقرر کرلیں اور عقول اُسے توہمات کی آماجگاہ نہیں بنا سکتے کہ اُس کی صورت گری کریں۔ احساسات اُسے پا نہیں سکتے کہ جو اس کے دائرہ میں مقید کرلیں اور ہاتھ اُس تک پہنچ نہیں سکتے کہ اُسے چھو لیں۔ وہ کسی حالت میں ادلتا بدلتا نہیں اور اُس کے حالات پر تغیر نہیں۔ شب و روز کا گذرنا اُس میں کہنگی و بوسیدگی پیدا نہیں کرتا (۱۷)۔

(نوٹ بقیہ صفحہ ۶۷) موجد کی ضرورت ہے اب اگر خداوند عالم بھی حادث قرار پائے تو وہ پھر کسی اور موجد کا پتہ دے گا۔

(۱۵) ایک جزو ہستی کے الگ ہونے سے جس کا وجود ہو وہی اولاد ہے۔ اس لیے اولاد ہونے سے اجزاء کا ثبوت اور اجزاء کے ثبوت سے اُس کا حدوث لازم ہے اور جب وہ حادث ہوا تو پھر اُس کا بھی دوسرے کی اولاد ہونا قابلِ انکار امر نہیں ہے۔

(۱۶) زبان کے لحاظ سے بھی اور مکان کے لحاظ سے بھی اور تمام کمالات کے لحاظ سے بھی۔

روشنی و تاریکی اُس میں فرق نہیں کرتی کسی طرح کے اجزا یا اعضا و جوارح یا کسی قسم کے عرض یا کسی دوسری شئے سے امتیاز (۱۷) یا کسی قسم کے حصص و اقسام کے ساتھ اُس کا وصف نہیں ہو سکتا اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اُس کے لیے کوئی انتہا اختتام اور آخری منزل ہے۔ نہ یہ کہ دوسری چیزیں اُس پر حاوی ہو سکتی ہیں کہ اُسے اونچا کریں یا نیچا یا یہ کہ کوئی چیز اُس کو اپنے اوپر اُٹھائے ہوئے ہے کہ اُسے ٹیڑھا کرے یا سدھا۔ وہ دوسری چیزوں کے اندر سمایا ہوا نہیں ہے اور نہ ان سے باہر ہے۔ وہ کلام کرتا ہے مگر زبان اور دہن کے ساتھ نہیں اور سنتا ہے مگر کان اور اُس کے پردہ کے ساتھ نہیں۔ وہ جو کہتا ہوتا ہے اُسے کہتا ہے مگر تلفظ کے ساتھ نہیں اور محفوظ رکھتا ہے مگر حفظ کرنے کی زحمت کے ساتھ نہیں یا ارادہ کرتا ہے مگر ضمیر و دل کے ساتھ نہیں۔ وہ محبت کرتا ہے اور راضی ہوتا ہے مگر نرم دلی کی کیفیت کے ساتھ نہیں اور دشمن رکھتا ہے اور غضب ناک ہوتا ہے مگر طبیعت کے بوجھل ہونے کے ساتھ نہیں۔

---

(۱۷) امتیاز کا سوال اشتراک کی صورت میں پیدا ہوتا ہے اور اُس کی ذات کا دوسروں سے کسی بابت میں اشتراک ہی نہیں پھر امتیاز کا سوال کیا۔

جس چیز کو چاہتا ہے ہو جائے اُسے کہتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے مگر یہ کسی آواز سے نہیں ہوتا جو کہیں ٹکرائے۔ نہ کسی پکار سے جو سنائی دے بلکہ اُس کا کلام فقط اس کا ایک فعل ہے جسے وہ پیدا کرتا ہے اور وہ اُس کے پہلے موجود نہیں ہوا کرتا اور اگر وہ قدیم ہوتا تو دوسرا خدا بن جاتا (۱۸)

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ پہلے نہ تھا اُس کے بعد ہوا کہ اس طرح اُس پر حادث قسم کی صفتیں منطبق ہونے لگیں گی اور اُس میں اور دیگر کائنات میں کوئی فرق نہ ہوگا نہ اسے اُن پر کوئی فوقیت ہوگی۔ اس طرح خالق اور مخلوق اور موجد اور ایجاد کردہ اشیا برابر ہو جائیں گے۔ اس نے مخلوقات کو پیدا کیا بغیر کسی نمونہ کے جو پہلے کسی دوسرے سے وجود میں آچکا ہو اور اُن کی تخلیق میں اس نے اپنے مخلوقات میں سے کسی کی امداد حاصل نہیں کی۔

وہ اپنی طاقت و اقتدار کے ساتھ اُن سب پر غالب اور اپنی دانائی اور شناخت کے ساتھ اُن کے اندر پیرا ہوا اور اپنی جلالت و بزرگی کے ساتھ اُن سب سے بالا ہے۔ ان میں سے کوئی چیز جس کے پیچھے وہ پڑے اُسے بے بس نہیں بنا سکتی

---

(۱۸) یہ کلام الٰہی کے قدیم ہونے کی رد ہے۔

اور نہ اس کے قابو میں آنے سے انکار کر کے اُس کے مقابلہ میں
کامیاب ہو سکتی ہے اور کتنی ہی تیز رفتار ہو اُس سے آگے نکل
نہیں سکتی۔ وہ کسی مالدار کا محتاج نہیں کہ وہ اُسے روزی پہنچائے
تمام چیزیں اُس کے سامنے جھکی ہوئی اور اُس کی عظمت کا اقرار
کرتی ہوئی اُس کے سامنے سرنگون ہیں۔ نہ اس کے اقتدار سے
نکل کر کسی اور کی طرف بھاگ نہیں سکتیں کہ اس طرح اس کے نفع اور
ضرر سے بے نیاز ہو جائیں اور اُس کا کوئی مدمقابل نہیں کہ وہ
اُس کی ہمسری کرے اور نہ کوئی مثل ہے کہ اُس سے برابری کرے
وہ اُن سب کو ہستی کے بعد نیست کرنے والا ہے یہاں تک کہ ان
میں کی ہر بود نابود کے مانند ہو جائے۔

اور بے شک حضرت احدیت دنیا کو ختم کرنے کے بعد پھر کی
طرح ایک اکیلا رہ جائے گا جس طرح وہ اُس کے پیدا کرنے
کے قبل تھا۔ یوں ہی اس کو فنا کرنے کے بعد وہ رہے گا جس
کے لیے نہ کوئی وقت ہو گا نہ جگہ نہ مدت۔ نہ زمانہ۔ اس وقت
مدت، وقت سال اور ساعتیں سب ختم ہو چکے ہوں گے
کوئی چیز نہ ہو گی سوا اُس اکیلے غالب و طاقتور کے جس کی

طرف تمام معاملات کو ہر پھر کر جانا ہے۔ شروع بھی یہ کائنات بغیر اپنے قدرت و اختیار کے پیدا ہوئی تھی اور بے بسی ہی کے ساتھ اُسے فنا بھی ہونا ہے اور اگر وہ اس سے انکار کی قدرت رکھتی تو ہمیشہ باقی ہی کیوں نہ رہتی (۱۹)

کسی شے کو بھی جب اُس نے بنایا تو اُس کی صنعت گری میں اسے دشواری پیش نہیں آئی اور کسی مخلوق کے پیدا کرنے میں اسے زحمت کا سامنا نہیں ہوا اور اُس نے یہ سب کائنات کسی اقتدار کو مضبوط کرنے کے لئے نہیں بنائی۔ نہ کسی تباہی و نقصان کے اندیشہ سے، نہ کسی مدمقابل کے مقابلہ میں اُن سے سہارا لینے کے لیے اور نہ کسی حملہ آور غنیم سے بچاؤ کی خاطر، نہ اپنے حدود مملکت میں اضافہ کے خیال سے، نہ کسی شریک کار پر اپنی فوقیت ثابت کرنے کو اور نہ اس بنا پر کہ اُس کا دم گھبرا رہا ہو تو اُس نے چاہا ہو کہ ان سے اُنس و دلبستگی ہو۔

پھر وہ پیدا کر چکنے کے بعد ان سب کو فنا کر دے گا نہ اُن کے انتظام اور بند و بست سے اکتا جانے کی وجہ سے اور نہ کسی آرام

---

(۱۹) اس لیے کہ وجود مجبور ہے پھر عدم اُس کے مقابلہ میں اختیاری کیونکر کیا جا سکتا ہے۔

و راحت کے لیے جو اُسے درکار ہے۔ اور نہ کسی بوجھ کی وجہ سے جو ان پر کسی چیز سے اُس پر پڑ رہا ہے۔ نہ ان اشیاء کا عرصہ تک باقی رکھنا اس کی کبیدہ خاطری کا سبب ہے جو اس کے جلد فنا کر دینے کا باعث ہو بلکہ اس نے اس کے بند و بست کو اپنے فضل و کرم سے اور اس کی روک تھام کو اپنے حکم سے اور اس کے استحکام کو اپنی قدرت سے وابستہ رکھا ہے۔

پھر فنا کرنے کے بعد وہ دوبارہ اسے پیدا کرتا ہے نہ اس لیے کہ اُسے ان کی کوئی احتیاج ہے اور نہ ان میں سے کسی چیز سے دوسرے اشخاص کے مقابلہ میں مدد حاصل کرنے کے لیے اور نہ اس لیے کہ دم گھبرانے لگا تو اُسے پھر دل بہلانے کی ضرورت ہوئی اور نہ یہ کہ اُسے خبر نہ تھی اور نہ تاریکی میں تھا اب اُسے علم ہوا اور جستجو پیدا ہوئی اور نہ یہ کہ وہ فقیر و محتاج تھا اب اُسے دولت و قدرت حاصل ہو گئی اور نہ یہ کہ وہ بے بس و بیکس تھا اب اُسے عزت و قدرت مل گئی (۳۰)

---

(۳۰) افعال بشر میں تنوع اکثر اُن کے جذبات و خیالات کے اختلاف سے ہوتا ہے اور چونکہ وہ خود مجموعۂ حاجات ہیں اس لیے اُن کے ہر فعل میں کچھ نہ کچھ اپنی ذاتی غرض ہوتی ہے جس کا فائدہ خود ان کی طرف عائد ہو اور ان کے لحاظ سے دنیا کو پیدا کرنے پھر فنا کرنے اور پھر دوبارہ پیدا کرنے میں اس قسم کے اسباب ہو سکتے ہیں جن کی خداوند عالم سے نفی کی گئی ہے کیونکہ وہ غنی بالذات اور بے نیاز مطلق ہے۔ اس کا کوئی فعل جذبات اور اپنے ذاتی اغراض کی بنا پر نہیں ہوتا۔

(۱۹)

(۱) وہ ہر جگہ ہے اور ہر وقت و زمانہ میں اور ہر آدمی اور جن کے ساتھ فیض و عطا اُس میں کوئی کمی نہیں کرتا برابر دیتے رہنا اُسے کبیدہ خاطر نہیں بناتا۔ کوئی مانگنے والا اُس کے خزانہ کو ختم نہیں کر سکتا اور کوئی عطیہ اُس کے مقدور کی انتہا تک نہیں پہنچ سکتا۔ ایک شخص دوسرے شخص سے اُسے غافل اور ایک آواز دوسری آواز سے اسے بے خبر نہیں بناتی۔ اسے عطا کی رَو نعمت کے سلب کرنے سے نہیں روکتی اور غیظ و غضب کا غلبہ اُسے رحم و کرم سے سدِ راہ نہیں اور رحم و کرم کا وفور سزا دینے سے غافل نہیں بناتا (۲)

---

(۱) نہج البلاغہ ط مصر ج ۱ ص ۲۲۸

(۲) افعال جب جذبات کے ماتحت ہوں تو ایسا ہو گا کہ کسی شخص کو ایک وقت عطا کی رَو ہو گی تو اب جس سے نعمتوں کے سلب کرنے کی ضرورت ہے اُس سے بھی اس وقت وہ چشم پوشی کر دے گا کسی وقت جب غیظ و غضب کا غلبہ ہے تو جو شخص بیچارہ رحم و کرم کا حقدار ہے وہ بھی اُس کی زد میں آجائے گا اور رحم و کرم کا وفور ہو گیا تو اب ایک شخص جو سزا کا مستحق ہے وہ بھی سزا سے بچ گیا۔ خداوند عالم کے افعال چونکہ از روئے جذبات نہیں بلکہ بربنائے حکمت ہوتے ہیں، وہاں یہ بات نہیں ہو سکتی۔

اور اندر کی چیزیں اُس کی نظر سے ظاہری پہلوؤں کو اوجھل نہیں کرتیں اور نہ ظاہری پہلو اُسے اندرونی پہلوؤں سے غیر متعلق بناتے ہیں۔ وہ قریب ہوکر پھر دور ہے اور بلند ہوکر پاس ہے اور نمایاں ہوکر پوشیدہ ہے اور پوشیدہ ہوکر نمایاں ہے۔ وہ دوسروں سے جواب طلب کرسکتا ہے اور اُس سے جواب طلب کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔

اُس نے خلق کو اس طرح نہیں پیدا کیا کہ اس میں ترکیبوں کی ضرورت پڑی ہو (۳)

اور نہ اُس کا سہارا لیا اس لیے کہ وہ تھک کر عاجز آگیا ہو۔

---

(۳) ترکیبیں اور طرح طرح کی تدبیریں سوچنے کی ضرورت اُسے پڑتی ہے جس کی قدرت کامل نہ ہو اور اللہ کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے اس لیے کہ اُس کی قدرت کامل ہے لہذا ہر شے اُس کے لیے آسان ہے اس کے واسطے کسی ترکیب سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۳۰)

(۱) وہ بیابانوں میں وحشی جانوروں کی چیخ پکار، تنہائیوں میں بندوں کے گناہ، کردار، گہرے دریاؤں میں مچھلیوں کی آمد و رفت اور تیز آندھیوں سے پانی کے تھپیڑوں (ان سب چیزوں) کو جانتا ہے۔

---

(۱) نہج البلاغہ ط مصر ج ۱ ص ۴۳۳

(۲۱)

(۱) سب تعریف اللہ کے لیے جو مخلوقات کی شباہت سے بالاتر اور اپنی صفت کرنے کی گفتگو پر غالب ہے (۲)

جو حسن انتظام کے عجیب و غریب کرشموں سے دیکھنے والوں کے سامنے نمایاں اور اپنی کبریائی کی عظمت کے ساتھ تصور کرنے والوں کی فکر سے کہیں پوشیدہ ہے۔ جو بغیر تحصیل، بغیر اضافہ، بغیر کسی اور سے استفادہ کیے ہوئے علم کے عالم ہے جو تمام امور کے پیمانے مقرر کرنے والا ہے بغیر غور و فکر اور بغیر ذہن کے (۳)

وہ وہ ہے جس پر تاریکیاں پردہ نہیں ڈالتیں اور روشنیوں کی وہ سب ضیا نہیں کرتا۔ رات اس کو ڈھانپتی نہیں اور دن اس پر چھاتا نہیں۔ اس کا علم نگاہوں کے ذریعہ سے نہیں اور اس کا علم (۴) اطلاعات کی بنا پر نہیں۔

---

(۱) نہج البلاغہ طبع مصر ج ۱ ص ۲۵۵

(۲) یعنی اپنے لامحدود کمال سے ان کی قوت اظہار کو شکست دیدیتا ہے۔

(۳) ذہنیت بھی تو اسی کا بنایا ہوا ہے اور اللہ جو بنایا ہوا نہیں ہے وہ اس سے بری ہے۔

(۴) یہ اضافت فاعل کی طرف بھی ہو سکتی ہے اور مفعول کی طرف بھی۔ پہلی صورت پر معنی یہ ہوں گے کہ اسے جو علم ہے وہ ذرائع بینائی سے نہیں ہے اور نہ دوسروں کے دیئے ہوئے اطلاعات کے ذریعہ سے جس طرح دنیا کے بادشاہوں کو ہوتا ہے اور دوسری صورت میں معنی ہوں گے کہ اس کی معرفت آنکھوں سے دیکھ کر نہیں ہے اور نہ ایسوں سے مل کر جنہوں نے اسے دیکھا ہو کیونکہ اس کی رویت محال ہے ہمارے لیے بھی اور ہم سے پہلے والوں کے لیے بھی۔

اختتامی تبصرہ

الٰہیات کے سو مسئلے

نہج البلاغہ کے اس حصہ پر جو الٰہیات سے متعلق ہے اگر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دور امیر المومنینؑ سے اس وقت تک چودہ سو سال کے قریب مدت میں مشرق اور مغرب کے حکماء و الٰہیین کی تمام تحقیقات انہی مسائل کے اندر گردش کرتے رہے ہیں، جن پر امیر المومنینؑ نے اپنے کلام میں روشنی ڈال دی ہے اور آج تک علم ایک سر مو بھی اس کے آگے نہیں بڑھ سکا ہے۔

ہم اس وقت سرکار مرتضوی کی ولادت کی چہاردہ صد سالہ یادگار کے موقع پر صرف ان مسائل کی فہرست مرتب کیے دیتے ہیں۔ اگر اس یادگار کے سلسلہ میں مشرقی اور مغربی افکار پر نظر رکھنے والوں کی ایک جمعیت بن جائے جو اس فہرست کے مطابق فلاسفہ مشرق و مغرب کے افکار کو ان مسائل کے متعلق جمع کر کے ان پر تفصیلی تبصرہ کرے جس میں بلاشبہ امیر المومنین کا کلام امام الکلام ہو گا۔ جو تضاد و اختلاف سے پیدا شدہ تاریکیوں میں آفتاب حقیقت بن کر چمکے گا تو یہ اس یادگار کے سلسلہ میں ایک شایان شان کارنامہ قرار پا سکتا ہے۔

مسائل

(۱) دین کی پہلی منزل خدا کی معرفت ہے۔
(۲) معرفت کے لیے تصور کافی نہیں بلکہ تصدیق کی ضرورت ہے۔
(۳) کائنات عالم پر نظر اُس کی تصدیق کا ذریعہ ہے۔
(۴) ہر مخلوق اُس کی ایک حجت اور اُس کے وجود کی ایک دلیل ہے
(۵) وہ اس خلق کو نیستی سے ہستی میں لانے والا تھا اور اس کو دوبارہ نیست کرنے کے بعد باقی رہنے والا ہے۔
(۶) وہ صرف کوئی قوت نہیں ہے جو کائنات کے اندر جاری وساری ہو بلکہ ایک ذات ہے جو اس کائنات سے بے نیاز طور پر موجود ہے۔
(۷) اُس نے کائنات کی ایجاد بغیر نمونہ ومثال کی۔
(۸) اُس نے مخلوقات کو ایسے اجزاء سے جو ازلی وابدی ہوں پیدا نہیں کیا۔
(۹) اُس نے پیدا کرنے کے لیے کوئی سانچا نہیں بنایا۔
(۱۰) وہ اپنے افعال میں تجربات کا مرہون منت نہیں ہے۔
(۱۱) اُس کی کنہ حقیقت کا پہچاننا غیر ممکن ہے۔
(۱۲) عقل کا عاجز ہونا اُس کے ادراک حقیقت سے خود عقل ہی کا فیصلہ ہے۔
(۱۳) اُس کی توصیف کے لیے الفاظ کا فقدان ہے۔
(۱۴) بقدر ضرورت معرفت الٰہی کے لیے ذرائع موجود ہیں۔
(۱۵) مخلوقات کے نقائص خالق کے کمال کا پتہ دیتے ہیں۔
(۱۶) اُس کی ذات ہی ہے جو مرکز کمالات ہے، ذات کے علاوہ اُس کے لیے

صفات نہیں ہیں۔

(۱۷) نہ اس کا کمال بضمیمہ صفات ہے اور نہ اضافات و تعلقات کی بنا پر۔

(۱۸) اُس کی تصدیق کا لازمی جزو اس کی وحدت کا اقرار ہے۔

(۱۹) اس کا ایک ہونا گنتی کے اعتبار سے نہیں ہے۔

(۲۰) وہ واحد اس معنی سے ہے کہ اُس کے اندر کسی قسم کی کثرت کا شائبہ نہیں ہے

(۲۱) وہ ازلی ہے اُس کے پہلے کوئی چیز نہیں۔

(۲۲) وہ ابدی ہے اُس کی کوئی انتہا نہیں۔

(۲۳) وہ ایسا پہلا ہے جس کے پہلے کا تصور غلط ہے۔

(۲۴) وہ ایسا آخر ہے جس کے بعد کا تصور غیر معقول ہے۔

(۲۵) اُس کے اوصاف میں جو الفاظ استعمال ہوتے ہیں اُن میں کمال کا پہلو اس کے لیے ثابت ہوتا ہے اور نقص کا پہلو نظر انداز۔

(۲۶) وہ توانا اور زبردست ہے۔ وہ ہر بات پر قادر ہے۔

(۲۷) وہ ہر چیز پر غالب ہے۔

(۲۸) کائنات کا ہر ذرہ تسخیری طور پر اُس کی اطاعت کر رہا ہے۔

(۲۹) تمام مخلوقات اُس کی روک تھام کے محتاج ہیں۔

(۳۰) کائنات کی تخلیق اُس کا طبیعی فعل نہیں ہے۔

(۳۱) اُس کی تخلیق کے معنی ترکیب اجزا نہیں بلکہ نیستی سے ہستی میں لانا ہے۔

(۳۲) وہ قدرت و قوت میں دسترس سے بالا ہونے کے باوجود فیض و عطا کے لحاظ سے ہر ایک کے پاس ہے۔

(۳۳) وہ ہر دولت و نعمت کا بخشنے والا اور ہر مصیبت اور سختی کا دور کرنے

والا ہے۔

(۳۴) وہ قریب ہے اور رہنمائی کا کفیل۔

(۳۵) وہ کافی ہے اور مدد پہ تیار۔

(۳۶) کائنات کی خواہشیں اس کے پاس کے ذخیروں کو ختم نہیں کرسکتیں۔

(۳۷) اُسے اپنے کاموں میں تردّد نہیں ہوتا۔

(۳۸) اُس کی قدرت خلق کائنات کے لیے کافی ہے اُس کے لیے مادہ کی ضرورت نہیں۔

(۳۹) اُسے اپنے مخلوقات کے انتظام میں کوئی زحمت پیش نہیں آتی۔

(۴۰) اُس کا علم تمام چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے۔

(۴۱) وہ غیب کی باتوں سے باخبر ہے۔

(۴۲) اس کا علم کلیات و جزئیات کو حاوی ہے اور وہ ہر جزئی سے جزئی بات کا عالم ہے

(۴۳) اُس کا علم حدود زمان و مکان میں مقید نہیں ہے۔

(۴۴) اُسے اپنے کیے ہوئے فیصلوں اور طے کیے ہوئے مقدرات میں کبھی شک نہیں ہوتا۔

(۴۵) اُس نے اپنے مخلوقات کے لیے خود پیمانے مقرر کر دیئے ہیں۔

(۴۶) وہ سمیع ہے مگر آلۂ سماعت سے نہیں۔

(۴۷) وہ بصیر ہے مگر آلۂ بصارت کے ذریعہ سے نہیں۔

(۴۸) وہ زندہ، قائم اور برقرار ہے۔

(۴۹) اُسے اپنے افعال میں غور و فکر کی حاجت نہیں

(۵۰) وہ متکلم ہے مگر کلام اُس کا فعل ہے جسے وہ پیدا کرتا ہے۔

(۵۱) وہ اپنے وعدوں میں سچا ہے۔
(۵۲) اُس کے تمام افعال و اوصاف اس طرح ہیں کہ نتیجہ صفت کو لے لیا جائے
اور ذریعہ کو ترک کر دیا جائے کیونکہ ذریعہ کا تصور احتیاج کا مستلزم ہے۔
(۵۳) متقابل صفات جیسے اول و آخر اور ظاہر و باطن اُس میں بحیثیت تضاد
نہیں بلکہ بہ اختلاف اعتبارات ثابت ہیں۔
(۵۴) خالق کے لیے مخلوقات پر قیاس کر کے حالات کا مقرر کرنا غلط طریقہ ہے۔
(۵۵) وہ مخلوقات کے تشکل و تشاکل سے بری ہے۔
(۵۶) اُس کے لیے مخلوقات کی طرح اعضاء و جوارح مانے نہیں جا سکتے۔
(۵۷) اُس کی بڑائی جسامت کے لحاظ سے نہیں ہے کہ اُس کے اطراف ادھر اُدھر
پھیلے ہوئے ہوں۔ بلکہ وہ شان کے لحاظ سے بڑا اور اقتدار کے لحاظ سے عظیم ہے۔
(۵۸) اُس کے لیے اتصال اور انفصال دونوں نہیں اس لیے کہ دونوں جسمانی صفتیں ہیں
(۵۹) اُس کے لیے اجزاء نہیں ہیں۔
(۶۰) اُس میں مختلف طاقتیں نہیں ہیں۔
(۶۱) اُسے اپنے احکام کے اجراء اور مخلوقات کے انتظام میں تھکن پیدا نہیں ہوتی۔
(۶۲) وہ قلب و ضمیر سے بری ہے۔
(۶۳) وہ پاس ہے مگر جسمانی اتصال کے طور پر نہیں۔
(۶۴) وہ دور ہے مگر مسافت کی دوری کے لحاظ سے نہیں۔
(۶۵) وہ نمایاں ہے مگر دکھائی دے کر نہیں۔
(۶۶) وہ پوشیدہ ہے مگر جسمانی باریکی کے اعتبار سے نہیں۔
(۶۷) اُسے نیند نہیں آتی اور نہ غنودگی طاری ہوتی ہے۔
(۶۸) اُس تک کوئی نگاہ کبھی پہونچی نہیں۔
(۶۹) عقل ہی کے ذریعہ سے وہ نمایاں ہے، اور عقل ہی کے فیصلہ کے مطابق وہ نظروں سے

پنہاں ہے۔

(۷۰) اُس کا جدا ہونا [illegible] مانع دوئیت ہے نہ ہمارا نقص [illegible] ہے۔

(۷۱) وہ کسی پردہ سے پنہاں نہیں بلکہ اُس کی وجود کی حقیقت ہی اُس کے ظہور سے مانع ہے۔

(۷۲) اُس کا یقین ویسا ہی ہے جیسا رویت کے ساتھ ہو سکتا ہے مگر وہ رویت کے ذریعے سے نہیں ہے۔

(۷۳) اُس کے آثار آنکھوں کے سامنے ہیں اور وہ عقلوں کے سامنے آیا ہے۔

(۷۴) ذات قدیم مرکب نہیں ہو سکتی اس لیے کہ مرکب ہونا حدوث کی نشانی ہے۔

(۷۵) وہ کسی مکان میں محدود نہیں ہے۔

(۷۶) اشیاء کے محدود ہونے سے اُس کا لامحدود ہونا ظاہر ہے۔

(۷۷) وہ کائنات کے اندر نہیں ہے۔

(۷۸) چونکہ وہ کسی مکان میں محدود نہیں اس لیے نقل و انتقال کا تصور بھی اُس کے بارے میں درست نہیں۔

(۷۹) اُس پر زمانہ کی آمد و رفت نہیں تاکہ اُس کے حالات میں اختلاف پیدا ہو۔

(۸۰) وہ کیفیات سے بری ہے۔

(۸۱) اُس میں تبدیلیاں نہیں ہوتیں۔

(۸۲) اُس کو کوئی شغل محویت پیدا نہیں کرتا۔

(۸۳) وہ کسی میں حلول نہیں کرتا

(۸۴) اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

(۸۵) اُس کا کوئی مثل نہیں۔

(۸۶) اُس کا کوئی شریک کار نہیں۔

(۸۷) اس کا نہ کوئی باپ ہے اور نہ کوئی بیٹا۔
(۸۸) اُس کے لیے ذات کے علاوہ صفات کا ماننا اُس میں کثرت کو تسلیم کر
ہے جو توحید کے خلاف ہے اور اس صورت میں اُس کا مرکب ہونا لازم آ جائے گا
(۸۹) اُس کے تمام افعال و احکام عدل پر مبنی ہیں۔
(۹۰) وہ بندوں پر ظلم کرنے سے بری ہے۔
(۹۱) اُس کے افعال میں وہ اغراض نہیں جو اُس کی ذات کی طرف راجع ہوا
(۹۲) اُس کے تمام احکام بربنائے حکمت ہوتے ہیں۔
(۹۳) اُس کے تمام افعال خیر ہیں ان میں شر کا گذر نہیں۔
(۹۴) اُس کی مخلوق میں کوئی شئے ایسی نہیں جو نظام عالم کے لحاظ سے
نامناسب ہو۔
(۹۵) اُس کی تمام مخلوق ہر کجی اور نقص سے دور ہے۔
(۹۶) وہ دشمنوں پر غضبناک اور دوستوں کے ساتھ رحیم ہے۔ مگر یہ غضب
اور رحمت کوئی طبیعی تقاضا نہیں بلکہ حکمت کا مقتضا ہوتا ہے۔
(۹۷) اُس کا سزا دینا جذبہ انتقام کی بنا پر نہیں ہوتا۔
(۹۸) اُس کی فیاضی کا انحصار سوال پر نہیں ہے بلکہ وہ ربوبیت کا مقتضا
(۹۹) اس کا عطاء فیض کو روکنا بربنائے بخل نہیں بربنائے حکمت ہوتا
(۱۰۰) وہ ہمارے ذہنی تصورات میں محدود و مقید نہیں ہے۔

امامیہ مشن۔ لکھنؤ کی ممبری قبول فرما کر رضائے الٰہی کا شرف حاصل کیجیے

چندہ ممبری کی تفصیل:۔

۱۔ سرپرستان ادارہ۔ کم از کم پانچ سو روپیہ یکمشت یا ایک ہزار شلنگ

۲۔ مربیان ادارہ۔ کم از کم سو روپیہ یکمشت یا دو سو شلنگ۔

۳۔ ارکان دوامی (لائف ممبر) کم از کم پچاس روپیہ یکمشت یا بالاقساط یا سو شلنگ

۴۔ ارکان خصوصی کم از کم پانچ روپیہ سالانہ یا دس شلنگ سالانہ

۵۔ ارکان عمومی کم از کم ایک روپیہ سالانہ یا دو شلنگ سالانہ

حقوق ممبران

سرپرستان و مربیان کی خدمت میں رکنیت سے قبل و بعد کے تمام رسائل بلا طلب و بلا قیمت ارسال ہوتے رہتے ہیں۔

ممبران دوامی کی خدمت میں ممبری کے بعد شائع ہونے والے تمام رسائل بلا طلب و بلا قیمت ارسال ہوتے ہیں اور قبل کے شائع شدہ رسائل اگر خریدنا چاہیں تو صرف نصف قیمت لی جاتی ہے۔

ممبران خصوصی کی خدمت میں بھی ممبری کے بعد شائع ہونے والے تمام رسائل بلا طلب و بلا قیمت ارسال ہوتے ہیں مگر قبل کے شائع شدہ رسائل کی پوری قیمت لی جاتی ہے۔

ممبران عمومی کو ممبری کے بعد شائع ہونے والے تمام رسائل بشرط طلب صرف نصف قیمت پر دیئے جاتے ہیں اور سابقہ رسائل اگر خریدنا چاہیں تو پوری قیمت چارج کی جاتی ہے۔

نوٹ:۔ پوسٹل آرڈر یا چیک کراس نہ ہونا چاہیئے بلکہ رجسٹری کے ذریعہ حسب ذیل پتہ پر آنا چاہیئے۔

سکریٹری امامیہ مشن (سرفراز پوسٹ آفس) نخاس۔ لکھنؤ (انڈیا)

(رسالہ نمبر ۲۱۷) مطبوعہ سرفراز قومی پریس۔ لکھنؤ
۵۰۰ ۱۰/۱۰۔ جسدر ۱۰۔ ہیسٹ سکریٹری امامیہ مشن۔ نخاس لکھنؤ

[illegible] ۱۹۴۴ ۱۲/